TIGHT BINGING BOOK

UNIVERSAL LIBRARY
OU_222562
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱/۴۳۹۱۵ Accession No. ۱۳۰۰

Author سید اکبر حسین ا ک

Title کلیات اکبر الہ آبادی حصہ سوم

This book should be returned on or before the date last marked below.

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَّاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

حصہ سوم

کلیات اکبر الہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلام بلاغت نظام عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم پنشنر جج آنریری فیلو

الہ آباد یونیورسٹی

حسب الحکم جناب سید عشرت حسین صاحب کلکٹر باندہ

باہتمام حاجی محمد اسمعیل صدیقی

ادبی پریس لکھنؤ میں چھپا

۷۸۶

ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحرا

حصہ سوم

Checked 1976

کلیات اکبر الہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلام بلاغت نظام عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم پنشنر جج آنریری فیلو

الہ آباد یونیورسٹی

حسب الحکم جناب سید عشرت حسین صاحب کلکٹر باندہ

باہتمام حاجی محمد اسمعیل صدیقی

ادبی پریس لکھنؤ مین چھپا

بار چہارم

جملہ حقوق محفوظ ہین

۱۹۳۵ء

اِنڈکس

مضمون	صفحہ
غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی	۱ - ۱۱۴
قطعات	۱۱۵ - ۱۳۶
رباعیات	۱۳۷ - ۱۳۹
مثنویات	۱۴۰ - ۱۵۸
ترجیع بند وغیرہ	۱۵۹ - ۱۶۴
متفرقات	۱۶۵ - ۱۷۵
ضمیمہ	۱۷۶ - ۱۸۵

ھو الباقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ عمر کب تک وفا کریگی زمانہ کب تک جفا کریگا
مجھے قیامت کی ہیں امیدیں جو کچھ کریگا خدا کریگا

فلک جو برباد بھی کریگا بلند ارادے مرے ہیں ایسے
جو خاک ہونگا تو خاک سے بھی سدا بگولا اٹھا کریگا

خدا کی پاکی پکارتا ہوں ہوا کرے ناخوشی بتوں کو
مری غرض کچھ نہیں کسی سے تو پھر مرا کوئی کیا کریگا

جہانِ فانی کا حشر ہی کو خیال کر مستقل نتیجہ
یہاں تو پیہم یہی تردد یہی تغیر ہوا کریگا

اگرچہ ہے درد و غم سے مضطر یہی ہے وردِ زبانِ اکبر
یہ درد جس نے دیا ہے ہمکو وہی ہماری دوا کریگا

زندگانی کا مزا دل کا سہارا نہ رہا
ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

بولنے کی ہے نہ قوت نہ اشارے کی سکت
اتنا بس بھی مرا فطرت کو گوارا نہ رہا

پوچھتا کوئی دمِ مرگِ سکندر اکبر
کتنے دن کی یہ تعلی تھی کہ دارا نہ رہا

جب یہ دیکھا کہ جہاں میں کوئی میرا نہ رہا
شدتِ یاس سے میں آپ بھی اپنا نہ رہا

آپ تصنیفِ شرائط کی نہ تکلیف کریں
مجھکو خود ولولۂ عرضِ تمنا نہ رہا

اس کی پروا نہ رہی خوش رہے دنیا مجھسے
عاقلوں میں مری گنتی ہو یہ سودا نہ رہا

منتشر رہنے میں پاتے ہیں اب آرام حواس
شوق مجموعۂ ہوشِ خرد افزا نہ رہا

حیرت افزا ہے مرا حال مگر کون سنے
دیدنی بھی ہے مگر دیکھنے والا نہ رہا

دیکھنے کی تو ہے یہ بات رہا کیا اُس میں   آپ اکبر سے عبث پوچھتے ہیں کیا نہ رہا

۴ غم کیا جو آسمان ہے مجھ سے پھرا ہوا   میری نظر سے خود ہے زمانہ گرا ہوا
مغرب نے خوردبیں سے کمر اُنکی دیکھ لی   مشرق کی شاعری کا مزا کرکرا ہوا

۵ شیخ کو بھی اُس بت کافر نے اپنا کر لیا   دین سے کیا ہو سکا ایمان نے کیا کر لیا

۶ دیکھ کر رنگِ فنا خونِ جگر پینا پڑا   زندگی سے سخت گھبرایا مگر جینا پڑا

۷ خانۂ امید آتا ہے نظر اُجڑا ہوا   دل کو حیرت ہے کہ یا اللہ کیا تھا کیا ہوا
کیا کسی بزمِ طرب میں ہوں مرے اکبر شریک   آنکھ بھی ڈوبی ہوئی ہے دل بھی ہے تڑپا ہوا

۸ بزمِ ہستی میں مرے پیشِ نظر کیا کچھ نہ تھا   دیکھتے ہی دیکھتے لیکن جو دیکھا کچھ نہ تھا
بے تعلق منزلِ ہستی سے گذرا دل مرا   اسکی نظروں میں سزاوارِ تمنا کچھ نہ تھا

۹ تنہائی اور شبِ غم۔ ہم اور دل ہمارا   اللہ سے دعائیں امید کا سہارا

۱۰ دنائت آپ کی کھلتی ہے مجھ پر ملنے جلنے سے   ادب کی جب ضرورت ہے تو بہتر ہے جدا رہنا

۱۱ اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا   خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا

۱۲ خدا کا نام گو اکثر زبانوں پر ہے آجاتا   مگر کام اس سے جب چلتا کہ یہ دل میں سما جاتا

۱۳ نہیں ہے کام زباں کا کچھ اب دعا کے سوا   نظر کسی پہ نہیں ہے مری خدا کے سوا
کبھی کریں گے نہ وہ میرے دل سے ہمدردی   کوئی علاج نہیں ترکِ مدعا کے سوا

۱۴ کروں کیا غم کہ دنیا سے ملا کیا   کسی کو کیا ملا دنیا میں تھا کیا
یہ دونوں مسئلے ہیں سخت مشکل   نہ پوچھو تم کہ میں کیا اور خدا کیا
رہا مرنے کی تیاری میں مصروف   مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا
وہی صدمہ رہا فرقت کا دل پر   بہت روئے مگر اس سے ہوا کیا

وہاں قالو بلیٰ یاں بت پرستی ذرا سوچو کہا کیا تھا کیا کیا
تمھارے حکم کے تابع ہیں ہم سب تمھیں سمجھو برا کیا اور بھلا کیا
الٰہی اکبرِ بیکس کی ہو خیر یہ چرچے ہو رہے ہیں جا بجا کیا

عبث ہے نظمِ بلیغ فطرت جو رخ نہیں حسنِ مدعا کا حدیثِ عقبیٰ اگر غلط ہے تو کیا نتیجہ ہے ارتقا کا ۱۵

مرے دل سے امتیازِ دی و فردا اٹھ گیا حشر بھی ماضی نظر آیا جو پردا اٹھ گیا ۱۶

بتوں کی مدح سے کل شاعری اردو کی مملو ہے شکستہ اردو جو پائے گی تو میں سمجھوں گا بت ٹوٹا ۱۷

اکبر کے کفر کا نہ رہا قدرداں کوئی اُس بت کو شیخ جی نے مسلمان کر لیا ۱۸

حق کی ہے کم محبت ہے صرف خود فروشی عزلت ہی ہے مناسب اپنی جو دل ہو تیرا ۱۹

ملنے سے یہ خرابی پیدا ہوئی بالآخر اب معترض ہے مجھ پر مشتاق تھا جو میرا ۲۰

صاحبِ الفاظ کو دفتر سے بھی سیری نہیں صاحبِ معنی کو صرف اک لفظ کافی ہو گیا ۲۱

جہانِ فانی کی حالتوں پر بہت توجہ عبث ہے اکبر جو ہو چکا ہے وہ پھر نہ ہوگا جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا ۲۲

مصیبت ہے مجھے اس بت سے الفت ہو گئی اکبر کہ جسکو بت کدے میں بھی کوئی اچھا نہیں کہتا ۲۳

متحد احساس سے ہم کو معرا کر دیا ٹکڑوں کے ریزے کئے ریزوں کو ذرا کر دیا ۲۴

ناموس کو ہادیوں کے بے انتہا جھنجھوڑا یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا ۲۵

کسی کے مرنے سے یہ نہ سمجھو کہ جان واپس نہیں ملے گی بعید شانِ کریم سے ہے کسی کو کچھ دیکے چھین لینا ۲۶

ترکِ دنیا کے خیالات کو دھوکا پایا غور جب ہم نے کیا سائنس کو دنیا پایا ۲۷
دامِ تقریرِ بتاں سے حذر اے اہلِ نظر بخدا میں نے تو ہر لفظ کو پھندا پایا
جسکے ہر پیچ میں سو دامِ بلا ہیں اکبر ایک عالم کو اُسی زلف کا شیدا پایا

رزولیوشن کی شورش ہے مگر اسکا اثر غائب پلیٹوں کی صدا سنتا ہوں اور کھانا نہیں آتا ۲۸

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں | حجاب اُس کو نہیں آتا - انھیں غصّا نہیں آتا

٢٩ جو کچھ تم کہہ رہے ہو جس نے وہ کہنا نہیں سیکھا | یہ سچ کہتے ہو اُس نے مطمئن رہنا نہیں سیکھا

٣٠ ہستیِ بے ثبات نے جانِ بشر کو کیا دیا | نفس سے حرص آ گئی ہوش نے مَین بنا دیا
نفس نے کہہ دیا غلط عقل نے بھی ملائی ہاں | منزلِ ذوق روح کا دل نے اگر پتا دیا
چشمِ خرد سے عار تھی حسن جنوں پسند کو | عقل نے آنکھ بند کی اس نے حجاب اُٹھا دیا

٣١ حالِ دل میں سما نہیں سکتا | لفظ معنیٰ کو پا نہیں سکتا
عشق نازک مزاج ہے بے حد | عقل کا بوجھ اُٹھا نہیں سکتا
ہوش عارف کی ہے یہی پہچان | کہ خودی میں سما نہیں سکتا
پونچھ سکتا ہے ہمنشیں آنسو | داغِ دل کو مٹا نہیں سکتا
مجھ کو حیرت ہے اُس کی قدرت پہ | علم اس کو گھٹا نہیں سکتا

٣٢ آتشیں روئے بتاں دیکھ کے واعظ نے کہا | کارِ اکبر یہی ہے دوزخ سے لگاوٹ کرنا

٣٣ ہے دو روزہ قیامِ سرائے فنا نہ بہت کی خوشی ہو نہ کم کا گلا
یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں، جو گیا وہ گیا، جو ملا وہ ملا
نہ بہار جمی نہ خزاں ہی رہی کسی اہلِ نظر نے یہ خوب کہی
یہ کرشمۂ شانِ ظہور ہیں سب کبھی خاک اُڑی کبھی پھول کھلا
نہیں رکھتا میں خواہشِ عیش و طرب یہی ساقیِ دہر سے ہے بس طلب
مجھے طاعتِ حق کا چکھا دے مزا نہ کباب کھلا نہ شراب پلا
ہے فضول یہ قصۂ زید و بکر ہر اک اپنے عمل کا چکھے گا ثمر
کہو ذہن سے فرصتِ عمر ہے کم جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

راز ہستی کو کوئی آج تلک پا نہ سکا — پا گیا کچھ تو کسی غیر کو سمجھا نہ سکا ۳۴
نا شگفتہ ہی رہا غنچۂ خاطر میرا — ساخت ایسی تھی کہ دنیا کی ہوا کھا نہ سکا
حسنِ گل سے ہی سوا ناز کا موقع کس کو — وہ بھی دو دن سے زیادہ کبھی اترا نہ سکا
بزمِ جاناں کے تصور سے رہا میں قاصر — دور کی بات تھی اندیشہ وہاں جا نہ سکا

کیا حرج ہے پڑھوں جو یہ مصرعہ میں برملا — دینِ خدا حسین ہے دنیا ہے کربلا ۳۵

فلک کو میں نے مجھے دی خدا نے داد اکبر — اُسے ستم تو مجھے صبر آزمانا تھا ۳۶

اُس ستمگر نے بگڑنے ہی کو جب بنا کہا — رفعِ شر کے واسطے ہم نے بھی آمنا کہا ۳۷

میں کیا کہوں اُسے اور کیا کروں گلا اسکا — مجھے ہنوز پتا ہی نہیں ملا اُسکا ۳۸
اگرچہ دل کو ہے سودا اُسے بُرا نہ کہو — کسی کی زلف سے ملتا ہے سلسلہ اُسکا

انھیں حسرت ہے اکبر کاش میرا ہم نوا ہوتا — میں کہتا ہوں ذرا سوچو جو ہوتا بھی تو کیا ہوتا ۳۹

غریب اکبر نے بحث پردے کی کی بہت کچھ مگر ہوا کیا — نقاب اُلٹ ہی دی اُس نے کہکر کہ کر ہی لیگا اکبر موا کیا ۴۰

رہا تو مردوں سے حال بدتر حیا بھی اکبر تو وہ حیا کیا — نئے طریقوں کے حامیوں نے کہا بہت کچھ مگر کیا کیا ۴۱
یہ چائے ہرگز نہیں ہے کافی نہیں ہے لمنیڈ کا بندہ قائل — شراب ہی حلق سے اُتری تو شیخ صاحب نے پھر پیا کیا

میں نام سعی کا اپنی خدا نہ رکھوں گا — جو بن پڑیگا مگر وہ اُٹھا نہ رکھوں گا ۴۲
ادائے شکر تو سمجھوں گا فرض عدون ہے — امید آپ سے لیکن ذرا نہ رکھوں گا

نئے طریقوں سے مقصدِ شرع کار فرما نہ ہو سکے گا — اُدھر جو پردہ نہ ہو سکے گا اِدھر بھی تقویٰ نہ ہو سکے گا ۴۳
تمام دنیا نئی روش میں جو چھوڑ بیٹھے گی دینِ حق کو — جو ایک مومن بھی ہوگا زندہ تو اُس سے ایسا نہ ہو سکے گا
دوا ترقی کی میں نے دیکھی بصد ادب ہے یہی گذارش — مرض ترقی کریگا اس سے مریض اچھا نہ ہو سکے گا

جدائی نے میں بنایا مجھکو جدا نہ ہوتا تو میں نہ ہوتا — خدا کی ہستی ہے مجھ سے ثابت خدا نہ ہوتا تو میں نہ ہوتا ۴۴

۴۵ خدا ہی کی قدرت کا ہر سو عمل ہے — تفکر میں کیوں جان اپنی ہے کھوتا
ہوا جو کچھ اکبر سمجھ ٹھیک اُس کو — ضروری نہ ہوتا تو ہر گز نہ ہوتا

۴۶ نظر کو ہو ذوق معرفت کا کرے تو شوقِ اضطراب پیدا — سوال پیدا جو ہونگے دل میں انھیں سے ہونگے جواب پیدا
کرو نہ کچھ فکر جام و ساقی بہار آنے تو دو چمن میں — گلوں سے ٹپکیگا رنگ مستی ہوا کریگی شراب پیدا
نہ آس کو ٹوٹنے کا موقع نہ شوق گستاخیوں کا حامی — اداؤں میں کچھ لگاوٹیں ہیں نگاہ سے ہے عتاب پیدا
ہر اک کے لائق ہے اسکی زینت نہ ہے تجھی سی شان تیری قدرت — کہ آنکھ کو اشک سے ہے بھرتی گہر میں کرتی ہے آب پیدا
یہ منزلِ حرص مال و دولت نہ دیگی دنیا میں تم کو راحت — ہوس بڑھائیگی تشنگی کو نظر کریگی سراب پیدا

۴۷ اک تماشا ہے یہ قربِ ضعف یہ بُعدِ اجل — مدتیں گذریں اسی میں اب مرا اور اب مرا
دفن کر دو فاتحہ پڑھ دو سدھارو دوستو — یہ نہ پوچھو تم کہ میں کیونکر مرا اور کب مرا
اس کو پروانہ نہ کہہ دن کو ہوا جو پائمال — وہ ہے پروانہ جو پیشِ شمع وقتِ شب مرا

۴۸ بہت دشوار ہے شایستہ راہ طلب ہونا — نظر کا حد میں رہنا شوقِ دل کا با ادب ہونا
تعجب انقلابوں کا ہے کیا اس دورِ گردوں میں — یہاں تو رات دن ہے شب کا دن اور دن کا شب ہونا
تڑپنے کا سلیقہ کیوں کیا تھا ثابت اس دل نے — تعجب کیا ہے اب بہرِ مصیبت منتخب ہونا

۴۹ حرص دنیا کا اثر طبع پہ غالب نہ رہا — دیکھکر حالتِ مطلوب میں طالب نہ رہا
کہیں اس عہد میں دو دل نظر آتے نہیں ایک — اثرِ معنیِ یک جان و دو قالب نہ رہا
کہہ چکا ان سے بہر حال ہوں راضی برضا — اب کوئی موقعہ اظہارِ مطالب نہ رہا

۵۰ ہوش نے کر لئے اعراض و مطالب پیدا — نقش سے ہو گئے اطراف و جوانب پیدا

۵۱ خوشی سے شیخ کالج سوئے مسجد اب نہیں چلتا — جہاں روٹی نہیں چلتی وہاں مذہب نہیں چلتا

۵۲ کونسلوں میں سوال کرنے لگے — قومی طاقت نے جب جواب دیا

معانی کی نظر سے جو تری صورت کو دیکھے گا
نہ وہ دوزخ کو دیکھے گا نہ وہ جنت کو دیکھے گا ۵۳

دو نگاہ ذرا سمجھ کے جواب اُنکی بات کا
رُخ دیکھتا ہوں سلسلۂ واقعات کا ۵۴

اے دوست مجھے تو ہے خدا ہی پہ بھروسا
دشمن کو مبارک ہو مری گھات میں رہنا ۵۵

آنے دو مصیبت کو دھرنا نہ دل پر
جو بند ہے غفلت میں وہ عبرت میں کھلے گا ۵۶

محفل ہی میں خاموش ہے اور بند ہے اکبرؔ
تنہا کبھی ملئے گا تو خلوت میں کھلے گا

کیا علم کی لذت سے بھی بڑھ کر ہے کوئی چیز
یہ حال تو بس محفلِ حیرت میں کھلے گا

خدا طالب نہیں تم سے شقفی بات کرنے کا
وہ اس سے خوش ہے جسکو شوق ہے خیرات کرنیکا ۵۷

خلاصہ ہے یہی ساری شریعت اور حکمت کا
وہی بندہ ہے اچھا شوق ہو جس کو عبادت کا ۵۸

احساس جو ہوتا ہے روایات سے پیدا
ہوتا نہیں اصلی اثر اس بات سے پیدا ۵۹

کام اس ملک میں ”سلف گورمنٹ“ سے کیا
زہر کو ہضم کرے کوئی پیپرمنٹ سے کیا ۶۰

ناحق جو وہ مجھ سے کد کرے گا
اللہ مری مدد کرے گا ۶۱

دعوے تو مرا ہے صرف توحید
کیونکر کوئی اس کو رد کرے گا

دنیا کی طرف بلا نہ اے شیخ
نیکوں کو یہ وعظ بد کرے گا

جسے حکومت کا نشہ ہوگا فلک سدا اس سے کد کریگا
جو صبر و طاعت سے کام لیگا خدا اُسکی مدد کریگا ۶۲

اکبرؔ نہ تھا بت خانے میں زحمت بھی ہوئی اور ڈر بھی گیا ۶۳
کچھ نامِ خدا سے اُنس بھی تھا کچھ ظلمِ بتاں سے ڈر بھی گیا

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابلِ رشک اے اہلِ نظر
اک شب ہی میں یہ پیدا بھی ہوا عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

کعبے سے جو بت نکلے بھی تو کیا کعبہ ہی گیا جب دل سے نکل

افسوس کہ بت بھی ہم سے چھٹے قبضے سے خدا کا گھر بھی گیا
جو گونج رہا تھا خوشیوں سے اس قصر پہ کل رویا میں بہت
کوئی متنفس تھا نہ وہاں باہر بھی پھرا اندر بھی گیا
کیا گندی جو اک پردے کے عدو رو روکے پولس سے کہتے تھے
عزت بھی گئی دولت بھی گئی بی بی بھی گئی زیور بھی گیا
اکبر کے جو مرجانے کی خبر ساقی نے سنی تو خوب کہا
مرنا تو ضروری تھا ہی اُسے رندوں کے لئے کچھ کر بھی گیا

۶۴ کیا خبر کونسا قانون سزا دیگا مجھے — مجھ پہ الزام ہے مذہب کی طرفداری کا
مال گاڑی یہ بھروسا ہی نہیں اے اکبر — ان کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

۶۵ سعادت ہے تری دھن میں خودی سے بیخبر ہونا — ترے ہونے کے آگے کچھ نہیں ہوتا ہے ہر ہونا
تعجب خیز ہے انشائے ہستی پر نظر ہونا — خبر کا شوق رکھنا ابتدا اسے بے خبر ہونا
زمیں زیر قدم پا کر بشر نے پاؤں پھیلائے — نہ رکھا یاد اس نے چرخ کا بالائے سر ہونا
قیامت ہے مرا جوش طبیعت اُن کی کم عمری — مرا بے چین ہونا اور اُن کا بے خبر ہونا
پریشاں ہو کے کھو جانے میں اک معنی ہیں اے اکبر — نہیں تو بات کیا ہے عاشق زلف و کمر ہونا
سیہ خانہ وہی ہے اور وہی سوز غم فرقت — مرے کس کام آیا آپ کا رشک قمر ہونا
مٹا دو رنگ ہمدت میں خودی کا نقش اے اکبر — اگر ثابت کیا چاہو تم اپنا معتبر ہونا

۶۶ جلوہ عیاں ہے قدرت پروردگار کا — کیا دلکشا یہ سین ہے فصل بہار کا
نازاں ہیں جوش حسن پہ گلہائے دلفریب — جوبن دکھا رہا ہے یہ عالم ابھار کا
ہیں دیدنی بنفشہ و سنبل کے پیچ و تاب — نقشہ کھنچا ہوا ہے خط و زلف یار کا

سبزہ ہے یا یہ آب زمرد کی موج ہے شبنم ہے بحر یا گہرِ آبدار کا
مرغانِ باغ زمزمہ سنجی میں محو ہیں اور ناچ ہو رہا ہے نسیمِ بہار کا
پروانے ہیں تیتریاں شاد و چست و مست زیبِ بدن کئے ہوئے خلعت بہار کا
موجِ ہوا و زمزمۂ عندلیبِ مست اک سازِ دلنواز ہے مضراب و تار کا
ابرِ تنک نے رونقِ موسم بڑھائی ہے غازہ بنا ہے روئے عروسِ بہار کا
افسوس اس سماں میں بھی اکبر اداس ہے سوہانِ روح ہجر ہے اک گلعذار کا

کل کی امیدوار ہے دنیا عالمِ انتظار ہے دنیا ٦٧
بےخبر رکھتی ہے حقیقت سے ہوش پر میرے بار ہے دنیا

خلقت کی یہ موجیں ہیں انہیں ممکن نہیں ضبط اس منظر کا اے ہوش بشر کیا تاب جنوں ہر ذرے کی کب اور کیونکر کا ٦٨
اعراض جو یہ ہیں نفسانی کھو دیتے ہیں نورِ ایمانی موقع ہی نہیں ملتا دل کو جو یاں ہو وہ اپنے جوہر کا

پیدا کیا ہے جس نے امید ہے اسی سے کچھ شک نہیں ہے اس میں بس ہے وہی ہمارا ٦٩

سمجھا تھا میں کہ وقت جو آیا گذر گیا ✓ کہتا ہے فلسفہ کہ تجھی میں ٹھہر گیا ٧٠
کہتا ہے جس کو وقت ترا ہی ظہور ہے ✓ دامانِ عمر تیری ہی ہستی سے بھر گیا

کمال شوق سے لپٹا ہوا ہوں دنیا سے سنا جو ہیچ اسے آپ کی کمر سمجھا ٧١

ہے اختیار خود کو مختار تم سمجھ لو ✓ لیکن ہوئے یقیناً بے اختیار پیدا ٧٢
دستِ اجل سے آخر بگڑی ہے بات اسکی مٹی نے کر لیا تھا اک اعتبار پیدا

ہزاروں ہی مصائب جھیل کر پائی ہے یہ نعمت نہ تھا کچھ سہل دنیا سے مرا بیزار ہو جانا ٧٣
نہ ہو شہرہ تو دنیا طلبِ غوغائے ہستی ہیں یہ کچھ اچھا نہیں رسوا سرِ بازار ہو جانا
سوا دل کے کہ اسکی زندگی رہ سکتی ہے قائم ✓ یقینی اک دن ان اعضا کا ہے بیکار ہو جانا

۷۴ اُن کو مرا عریضہ پہونچا ضرور ہو گا — لیکن جواب کیسا مانع غرور ہو گا

۷۵ کرو سکوت نہیں وقتِ اعتراض اکبر — فضول بحث سے اپنوں کو تم نے غیر کیا

۷۶ افسوس ہے کہ زندہ ہوں کہنا پڑا اجل — کیا مختصر جواب یہ ہوتا کہ مر گیا

۷۷ زباں سے بے تعلق دل کو بزم یار میں دیکھا — تعجب خیز ضبط اس محرم اسرار میں دیکھا
ادھر تسبیح کی گردش میں پایا شیخ صاحب کو — برہمن کو ادھر الجھا ہوا زنار میں دیکھا
مگر عشقِ حقیقی کا کوئی رشتہ نہ تھا دل میں — فقط نفسانیت کا پیچ و خم ہر تار میں دیکھا
وہ بانکا قاتل آئینے کی کچھ پروا نہیں کرتا — کبھی دیکھا بھی اپنا عکس اگر تلوار میں دیکھا
زمانے نے مرے آگے بھی دنیا پیش کر دی تھی — مگر میں نے تو اپنا فائدہ انکار میں دیکھا
صفِ مسجد میں جو آئے نظر عزت کرو اس کی — یہ سمجھو تم اُسے اللہ کے دربار میں دیکھا

۷۸ طرزِ عمل یہ ہم نے کبھی غور کیا کیا — جو نفس نے کہا وہ کیا اور کیا کیا
ہم سے گناہگاری کی قوت جو چھین لی — بیشک خدا نے رحم کیا جور کیا کیا

۷۹ راہِ خدا میں صبر کی منزل کی دھوم ہے — میں بھی کرونگا قصد اگر دل ٹھہر سکا
آئینِ نو کے ہوں گے نتیجے بہت برے — بچ جاؤنگا میں اُن سے اگر جلد مر سکا

۸۰ قوت ہی تعلق کی نہ رہی ہر طرح مرا دل توڑ دیا — دنیا کو کرونگا ترک میں کیا دنیا ہی نے مجھ کو چھوڑ دیا

۸۱ دنیا کو بت بنائے رہا تا دمِ اخیر — کیا اعتساب اس نے کیا توڑ کیا گیا
کوئی مرے تو پوچھ کہ کیا لے گیا وہ ساتھ — بالکل فضول بحث ہی یہ چھوڑ کیا گیا

۸۲ کیا عجب ہو گئے مجھ سے مرے دمساز جدا — دور فونو میں گلے سے ہوئی آواز جدا
وجد یاروں کو ہے اس بزم میں حیران ہوں میں — سُر سے آواز جدا راگ سے ہے ساز جدا
آسماں کی نہ یہ چالیں ہیں نہ جادو کے یہ رنگ — سب سے اس نرگس فتاں کے ہیں انداز جدا

اُن کی آنکھوں کی لگاوٹ سے حذر اے اکبر　　دین سے کرتی ہے دل کو یہی غماز جدا

۸۳ پولیٹکل سُروں سے ہرگز نہ ساز کرنا　　وہ چغد ہے جو چاہے بلبل کو باز کرنا
موسم جو ہو مخالف ہرگز نہیں مناسب　　منقار کو قرینِ آہنگِ ناز کرنا

۸۴ مٹی کو آ گیا ہے روحوں کو پھانس لینا　　سب کے گلے پڑا ہے دن رات سانس لینا
ہوشِ خرد کا نزلہ تکلیف دے رہا ہے　　جائز سمجھ لیا ہے یاروں نے کھانس لینا

۸۵ کرتے پھرتے ہو یہی تحقیق کس نے کیا کہا　　اپنے دل کی بھی خبر تو لو کہ اس نے کیا کہا
نا فہماں دونوں نے سمجھا اپنے انداز سے　　کیا بتاؤں کیا کہا بیگم نے مس نے کیا کہا
معدے نے تو کر لیا سوڈے سے اقرارِ وفا　　برف سے لیکن ریاحِ محتبس نے کیا کہا
لیجئے اس بت سے سن کر میں تو بولا ہی نہیں　　وہ بالآخر پھنس گیا دقت میں جس نے کیا کہا
کہہ گئے واعظ فسانے یہ بھی اکبر غور کر　　تجھ سے فطرت کی زباں میں تیری حس نے کیا کہا

۸۶ رہتا بہت ہے شوق دلیل و قیاس کا　　مالک مگر نہیں ہوں میں اپنے حواس کا

۸۷ کُل جو یہ چرخ میرے ہی حصے میں پس پڑا　　دنیا پڑی تھی پر وہ مجھی پر برس پڑا

۸۸ منتشر ذروں کو یکجائی کا جوش آیا تو کیا　　چار دن کے واسطے مٹی کو ہوش آیا تو کیا
عارضی ہیں موسمِ گل کی یہ ساری مستیاں　　لالہ گلشن میں اگر ساغر بدوش آیا تو کیا
دورِ آخر بزمِ دنیا کا ہے جامِ خونِ دل　　عیش اس محفل میں بن کر بادہ نوش آیا تو کیا
حدِ حیرت ہی میں رکھا ضعف نے ادراک کو　　پیکرِ خاکی کو اس عالم میں ہوش آیا تو کیا

۸۹ جان کو نفس کے آغوش میں رہنے نہ دیا　　عشق نے دل کو مرے ہوش میں رہنے نہ دیا
بوئے فردا تو ہوئی دافعِ افسردہ دلی　　رنگِ امشب نے مگر جوش میں رہنے نہ دیا
میں تو بدلا نہیں لیکن تری بے مہری نے　　زور کچھ طبعِ وفا کوش میں رہنے نہ دیا

۹۰ پری سے ان کا دل بے ربط نکلا — جنوں سمجھے تھے جس کو خبط نکلا

۹۱ بتانِ دہر سے مجھ کو تمتع ہو نہیں سکتا — خلوص امکان سے باہر تصنع ہو نہیں سکتا
محیطِ دہر میں کتنا خطوں کا ہی غلط راہی — جو رخ ہو جانب مرکز تقاطع ہو نہیں سکتا

۹۲ اس قدر زیست سے بیزار کیا تھا غم نے — ملک الموت نے پایا مجھے مشتاق اپنا
مدح سن سن کے کھنچا جاتا ہے دل اسکی طرف — کر ہی لیگا مجھے وہ شہرۂ آفاق اپنا
دل گیا، صبر گیا - ہوش گیا، جان گئی — مژدہ اے عشق حساب اب تو ہے بیباق اپنا

۹۳ پا کر خطاب ناچ کا بھی ذوق ہو گیا — سر ہو گئے تو بال کا بھی شوق ہو گیا

۹۴ جہد یہ ہے کہ زمانے کو موافق کر لے — سب کو آتا ہے زمانے کے موافق ہونا
عزتِ عقل ہی ہو جائے جو وہ خادمِ عشق — شاذ و نادر ہے مگر عقل کا عاشق ہونا

۹۵ معذور رہوں میں حضرت کو اگر ہے مجھ سے گلا بے باکی کا
نیکی کا ادب تو آساں ہے مشکل ہے ادب چالاکی کا

۹۶ وہ میرے پیشِ نظر تھے فلک نہ دیکھ سکا — چھپے تو پھر میں انھیں آج تک نہ دیکھ سکا

۹۷ تنگ دنیا سے دل اس دورِ فلک میں آ گیا — جس جگہ میں نے بنایا گھر سڑک میں آ گیا
آسماں کو تو غلط ثابت کیا سائنس نے — عرش باقی تھا سو وہ بھی مدِّ شک میں آ گیا

۹۸ قریب سمع و بصر میں آ کر قوائے دل کا ہلاک ہونا — کسی نے سمجھا اسے ترقی کسی نے سمجھا ہے خاک ہونا

۹۹ خدا کی ہستی کو یاد رکھنا اور اپنی ہستی کو بھول جانا
نظر اسی پر ہے اور باتوں کو میں نے بالکل فضول جانا
جنوں ہم ایسوں کو کیا تعجب بہار کا ہے سماں ہی ایسا
صبا کا اٹھکھیلیوں سے چلنا خوشی سے کلیوں کا پھول جانا

جہانِ فانی کی انجمن میں یہی تسلسل ہمیشہ دیکھا
امید کے ساتھ شاد آنا اُٹھا کے صدمے ملول جانا

شبِ حسرت میں کل یوں مجھ سے سرگرمِ سخن دل تھا — گئے وہ دن کہ میں دنیا میں خوش رہنے کے قابل تھا ۱۰۰

ایک ساعت کی یہاں کہہ نہیں سکتا کوئی — یہ بھلا کون بتائے تمھیں کل کیا ہوگا ۱۰۱
بڑھتا ہی جاتا ہے سوزِ غمِ فرقت یا رب — آج یہ حال ہمارا ہے تو کل کیا ہوگا
ایک دن اور قیامت کھسک آئیگی اِدھر — اور کیا عرض کروں آپ سے کل کیا ہوگا

یہ فکر چھوڑ کہ دنیا کا حال کیا ہوگا — اسی کو سوچ کہ تیرا مآل کیا ہوگا ۱۰۲

کھلا دیواں مرا تو شورِ تحسیں بزم میں اٹھا — مگر سب ہوگئے خاموش جب مطلع کا بل آیا ۱۰۳

زمانہ جانبِ انصاف ڈھل ہی جائیگا — زبان بند کرو حال کھل ہی جائیگا ۱۰۴

کیا کروں اظہار اپنے حال کا — آئنہ ہے آپ کے اقبال کا ۱۰۵

حدیثِ عافیت کیسی امیدوں کا محل کیسا — ہجومِ یاس ہیں دل کے لئے طولِ امل کیسا ۱۰۶
تعجب جوشِ رندی پر نہ کر اس دیرِ دلکش میں — جہاں حسین صورت ہے وہاں حسنِ عمل کیسا
یہ موجِ فیض ہے تہذیب کی یا اُسکا طوفاں ہے — کنواں موجود ہے گھر میں تو پھر پانی کا نل کیسا

رکھو مرگ کو محبوب تامل نہیں اچھا — اس ہستیِ ناقص کا تسلسل نہیں اچھا ۱۰۷
تحقیرِ جو ہو پیشِ بتاں جی سے گذر جا — رندی کے بھی حق میں یہ تحمل نہیں اچھا
خاموش رہا میں گلِ تصویر کے آگے — ہر چند مچا غل کہ یہ بلبل نہیں اچھا
یہ ٹھیک نصیحت ہے کہ ہے ہم پہ عمل فرض — یہ وعظ غلط ہے کہ توکل نہیں اچھا
دنیا کے تعلق کو بہت غور سے دیکھا — جز اُسکا ضروری ہے مگر کل نہیں اچھا

شیخ صاحب جمعبندی میں نہ کیوں اُلجھے رہیں — ہند کا اسلام ہی کھیوٹ میں داخل ہوگیا ۱۰۸

۱۰۹ نہ پائی دل نے راحت اسقدر بزم حیا میں — انھوں نے جب در تحسیں مرے اشعار پر کھولا
ہوئی جس درجہ کلفت مکتب یا ایسے سوالوں سے — یہ تم کس واسطے لکھا، یہ تم کس واسطے بولا

۱۱۰ واقف کبھی خوشی سے مرا دل نہ ہو سکا — لیکن یہ غم ہی کیا ہے کہ غافل نہ ہو سکا
توہین سہہ کے دیر میں پاتے ہی کچھ عروج — افسوس ہے کہ دل متحمل نہ ہو سکا

۱۱۱ مزا آسودگی نفس کا کتنا ہی اچھا ہو — حریف لذت بیتابی دل ہو نہیں سکتا
وہ کیا پابند آئیں ہو پڑے جس پر نظر تیری — مرتب بہر منطق ہوش بسمل ہو نہیں سکتا
شمول خون دل اے ابر نیساں تیرے قطرے میں — دُر تاباں تو بن سکتا ہے یہ دل ہو نہیں سکتا
نظر اپنی خودی پر کرکے کہتا ہے یہی اکبر — یہ ٹکڑا ہوش کا ہستی میں کامل ہو نہیں سکتا

۱۱۲ دل زخمی سے خوں اے ہمنشیں کچھ کم نہیں نکلا — تڑپنا تھا مگر قسمت میں لکھا دم نہیں نکلا
ہمیشہ زخم دل پر زہر ہی چھڑکا خیالوں نے — کبھی ان ہمدموں کی جیب سے مرہم نہیں نکلا
ہمارا بھی کوئی ہمدرد ہے اسوقت دنیا میں — پکارا ہر طرف منہ سے کسی کے ہم نہیں نکلا
تجسس کی نظر سے سیر فطرت کی جو اے اکبر — کوئی ذرہ نہ تھا جسمیں کہ اک عالم نہیں نکلا

۱۱۳ فراغ طبع ہم کو اپنے ہی غم سے نہیں ملتا — کسی سے ہم نہیں ملتے کوئی ہم سے نہیں ملتا
کیا ہے ذوق ترک ماسوا نے مجھکو دیوانہ — دل اپنا اس سے ملتا ہی جو عالم سے نہیں ملتا

۱۱۴ مجھے آتا نہیں اچھی طرح اظہار غم کرنا — مگر کچھ منحصر اس پر نہیں اُس کا کرم کرنا
رہ عرفاں میں حس حظ و الم کا نامناسب ہے — پسند طبع اکبر ہے نہ خوش رہنا نہ غم کرنا

۱۱۵ بساط دل تو یہ اور اس پہ یا اللہ غم اتنا — نہ تھی طاقت زباں میں رہ گئے بس کہہ کے ہم اتنا
نہ ہوں نازاں مجھے بیجاں سمجھ کر یہ بت ظالم — خدا کا نام لیتا ہوں ابھی باقی ہے دم اتنا
خیالات عدو سے ہوش کا سودا ہے اکبر کو — حریص بیخودی ہوگا کوئی دنیا میں کم اتنا

یاس ہی یاس تھی جب موت کا پیغام آیا — میں نہ سمجھا کہ یہ جینا مرے کس کام آیا ۱۱۶

عقبیٰ کا یقیں تجھکو نہ ہوتا جو کم اتنا — دنیا کے حوادث پہ نہ ہوتا الم اتنا ۱۱۷

غور سے دیکھو زمین و آسماں کو منکرو — چل بھی سکتا ہے خدا کے انتظام اتنا بڑا ۱۱۸

سنتے ہیں اکبر کو ہے عشق دہانِ تنگ بت — کام اتنا چھوٹا اور حضرت کا نام اتنا بڑا

چلنا جو میں چاہوں تو قدم اٹھ نہیں سکتا — لکھنے کی ہو خواہش تو قلم اٹھ نہیں سکتا ۱۱۹

ہو عزمِ فغاں کا تو زباں ہل نہیں سکتی — چپکا جو رہوں بارِ الم اٹھ نہیں سکتا

استیلائے حسرت و رنج و الم جاتا رہا — غم ہوا اتنا کہ اب احساسِ غم جاتا رہا ۱۲۰

بزمِ دنیا میں کہاں سامانِ حشمت کو ثبات — گم ہوئی مہرِ سلیماں جامِ جم جاتا رہا

جس سے تھا خودداریِ اربابِ حاجت کا نباہ — وہ سلیقہ تم سے اے اہلِ کرم جاتا رہا

نقلِ مغرب میں جو چھوڑی ایشیائی نے اصل — گھٹ گئی شانِ عرب حسنِ عجم جاتا رہا

نقشِ صورت ہی کی تزئیں پر رہی سب کی نظر — اس سخن سے حسنِ معنی یک قلم جاتا رہا

کہاں ہیں ہم میں اب ایسے سالک کہ راہ ڈھونڈھی قدم اٹھایا ۱۲۱

جو ہیں تو ایسے ہی رہ گئے ہیں، کتاب دیکھی قلم اٹھایا

اگرچہ راحت کا بھی تھا موقعہ، مجھے تھا لیکن خیالِ فردا

سبک نہ ہونا تھا چشمِ دل میں، اسی سے بارِ الم اٹھایا

فلک کی گردش کے رنگ ہیں یہ کہ ہم جھکے ہیں بتوں کے آگے

خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے، عرب نے نازِ عجم اٹھایا

ہمیشہ ہوتے ہیں دنیا کی راحت سے الم پیدا — وہ کیا شادی کہ جس شادی سے ہوں اسبابِ غم پیدا ۱۲۲

فلک سے گو کہ مجھے شکوۂ مظالم تھا — مگر میں خود طلبِ عافیت سے نادم تھا ۱۲۳

کھنچے جو دار پہ منصور راہ ہی تھی غلط | خدا بنے تھے تو چھپنا بھی اُن کو لازم تھا
ہمیشہ کہتا تھا ہر بات پر "منم یزدانم" | کچھ اس میں شک نہیں اکبر بڑا ہی عالم تھا

۱۲۴ سخت طینت ہی تو نیک انجام کیوں ہونے لگا | انشراح صدر للاسلام کیوں ہونے لگا

۱۲۵ فلک سے شکوۂ جور و ستم کیا | زمیں چکر میں جب خود ہے تو ہم کیا
ہمیں دنیا میں بحثِ بیش و کم کیا | زیادہ خود نہیں ہے وہ تو ہم کیا

۱۲۶ تھا زور کبھی خود بینی کا، کرتے ہی تھے کیا ہم ہم کے سوا
اب اپنی زباں پر کچھ بھی نہیں ہے، ربِ اغفر وارحم کے سوا
ہو جوشِ سرشکِ شوق اگر، رنگینیٔ دل کی زینت ہو
غازہ رخِ گل کا کون بنے اِس گلشن میں شبنم کے سوا
غفلت سے ہے کارِ دل میں خلل، گو آتی ہے سب کو یادِ اجل
مجھکو تو کوئی مصلح نہ ملا داغوں کے سوا اور غم کے سوا

۱۲۷ محافل میں بہت آساں ہے برسوں پیچ و خم کھانا | مگر مشکل ہے واعظ کے لئے دو دن بھی کم کھانا

۱۲۸ جو مرغِ صبح کی آواز کو بانگِ اذاں سمجھا | اُسی بیدار دل نے دہر کا رازِ نہاں سمجھا
جو اپنی زندگانی کو فقط اک امتحاں سمجھا | اُسی نے راحت و تکلیف کا رازِ نہاں سمجھا

۱۲۹ تھی فقط غفلت ہی غفلت عیش کا دن کچھ نہ تھا | ہم نے سب کچھ اُس کو سمجھا تھا وہ لیکن کچھ نہ تھا
طالبِ دنیا کو وقتِ نزع کیوں روتی نہ یاس | تھا جو ظاہر ہو گیا وہ ختم باطن کچھ نہ تھا

۱۳۰ بنی فطرت اسی کی برہمن جو بت حسیں نکلا | نظر نے راز جوئی کی، نتیجہ کچھ نہیں نکلا

۱۳۱ آتشِ غم سے چمکنے لگے اشعار مرے | داغِ دل کرنے لگے معنی روشن پیدا

۱۳۲ گھٹتا جاتا ہے مری نظروں سے مقدور مرا | بڑھتا جاتا ہے شمار اُن کے خریداروں کا

بحث میں عفوِ سزا کے یہ لڑے مرتے ہیں — فیصلہ کر ہی دو اب اپنے گنہگاروں کا
بے خطر پھرتا ہوں بازارِ جہاں میں ہر سو — کیسہ خالی ہو تو کیا خوف ہو عیّاروں کا
فطرت اُٹھی ہے شفاعت کو ملائک ہیں خموش — حشر ہے عشق و محبت کے گنہگاروں کا

۱۳۳ جہاں میں حال مرا اسقدر زبون ہوا — کہ مجھ کو دیکھ کے بسمل کو بھی سکون ہوا
غریب دل نے بہت آرزوئیں پیدا کیں — مگر نصیب کا لکھا کہ سب کا خون ہوا
وہ اپنے حسن سے واقف میں اپنی عقل سے سیر — اُنھوں نے ہوش سنبھالا مجھے جنون ہوا
امیدِ چشمِ مروت کہاں رہی باقی — ذریعہ باتوں کا جب صرف ٹیلیفون ہوا
نگاہِ گرم "کرسمس" میں بھی رہی ہم پر — ہمارے حق میں دسمبر بھی ماہ "جون" ہوا

۱۳۴ جدا رہتا تو ہوں تم سے مگر دل خوش نہیں رہتا — جو بس ہوتا جہاں رہتے ہو تم میں بھی وہیں رہتا

۱۳۵ خوشی تو ایسی کوئی نہ دیکھی کہ اُس کی مستی زیادہ رہتی
مگر غم ایسا ہوا مجھے اب کہ حشر تک ہوش میں رہوں گا
گلوں کی فرقت کے داغ اب تک ہرے ہیں سینے میں اے گلستاں
چمن میں میں خاک اُڑا چکا ہوں تو بھول کس دل سے اب جنوں گا

۱۳۶ پائے رفتار تو ہو جاتے ہیں ہم میں پیدا — رہنما بننے کو ہوتی نہیں آنکھیں پیدا
اُن نگاہوں سے تعلق کی یہ جلدی کیا ہے — حضرتِ دل ابھی کچھ خون تو کر لیں پیدا

۱۳۷ غوغائیوں سے اس کے سوا اور کہیں کیا — تاریخ میں سب کچھ ہے یہ بتلاؤ نہیں کیا

۱۳۸ عبث طولِ امل یہ ہے جیاں ہوگا چنیں ہوگا — نہیں ہے دور وہ ساعت کہ تو زیرِ زمیں ہوگا

۱۳۹ یہ بت مجھے نہیں دیتے امان شکرِ خدا — خدا کی راہ میں جاتی ہے جان شکرِ خدا
اجل کے شوق میں پروائے زندگی نہ رہی — نظر میں ہیچ ہے سارا جہان شکرِ خدا

برائے مشقِ ستم پالیا مرے دل کو — عجب نہیں جو کرے آسمان شکرِ خدا
وفا نہ کی بتِ بیدیں نے ہم سے اے اکبر — غلط ہی تھا وہ ہمارا گمان شکرِ خدا

۱۴۰ معنی کو چھوڑ کر جو ہوں نازک بیانیاں — وہ شعر کیا ہے رنگ ہے لفظوں کے خون کا

۱۴۱ نہ رازِ آسماں جانا نہ کچھ حالِ زمیں جانا — رہیں بحثیں بہت اور در حقیقت کچھ نہیں جانا

۱۴۲ دوا جو غیر نے بھیجی ہے وہ ہرگز نہ کھاؤں گا — اگر ہے زندگی باقی تو اچھا ہو ہی جاؤں گا

۱۴۳ موسمِ گل ہی سہی - چاکِ گریباں اتنا — کل کچھ اس سے بھی سوا آج تو جی ہاں اتنا
برہمیِ زلف مصیبت کی ہے حسنِ رنجِ عشق — قدرداں دل ہے تو پھر کیوں ہے پریشاں اتنا

۱۴۴ مری آہوں کو وہ فرعون طینت کچھ نہیں سمجھا — مگر جس کو سمجھ تھی اس نے موسیٰ آفریں سمجھا

۱۴۵ جو بعد مرنے کے رہ گیا کچھ سمجھ سکا یہ کہ مر گیا ہوں
تو زندگی سے نجات پانے کی میں تو بیحد خوشی کرونگا

۱۴۶ خلقت کے لئے وضعِ قانون ہی اچھا — جو چل نہ سکے اس پہ وہ مجنون ہی اچھا
کیا سختیِ موسم جو ہو مطلب کے موافق — ان برف فروشوں کے لئے جون ہی اچھا
دعوت بھی بہت خوب ہے احباب کی خاطر — لیکن جو اڈیٹر ہو تو مضمون ہی اچھا

۱۴۷ منطق کو فائدہ کیا ان سینہ کاویوں کا — مطلب میں اپنا حسن ہے مذہب میں راویوں کا

۱۴۸ بساطِ حس ہے کم انساں ہوا ہے ناتواں پیدا — اسی کم مائگی نے کر دیئے کب اور کہاں پیدا
اگر موجِ نفس میں آئیں موجیں جوشِ معنیٰ کی — حبابِ زندگی ہی سے ہو بحرِ بیکراں پیدا
کہاں سے آئے ہیں خود یہ جو آئی ہیں نہیں واقف — میں جب پیدا ہوا تو ہو چکا تھا آسماں پیدا

۱۴۹ ادھر خیال نہیں مصلحانِ "نیشن" کا — کہ فرطِ ضعف نہیں دقتِ "آپریشن" کا

۱۵۰ مجھی پر جب گذرتی ہے تو اب انکار کیا معنے — جو کوئی دوسرا کہتا تو مشکل سے یقیں آتا

حیات اب مجھ سے کہتی ہے کہ میں مجبور ہوں ورنہ
کسی پہ بار ہو کر مجھ کو رہنا خوش نہیں آتا

میں کب کہتا ہوں اے واعظ کہ میں نے رازِ دیں سمجھا
فقط اتنا ہی سمجھا ہوں کہ تو بھی کچھ نہیں سمجھا ۱۵۱

مگر اظہارِ عجزِ عقل میں بھی ایسی لذت ہے
کہ عرفانِ فکر پہ میں اس کو رشکِ انگبیں سمجھا

روشِ ذہنِ بشر کی مدعی مطلق نہیں سمجھا
ترقی سے رہا محروم عادت کو یقیں سمجھا

فنا کے دور میں اس آسماں سے کیا ہو گا
چنیں سے ہو گا چناں پھر چناں سے کیا ہو گا ۱۵۲

ایمان جیت کر بھی ایمان ہی رہے گا
شیطان ہار کر بھی شیطان ہی رہے گا ۱۵۳

تہمد میں بٹن جب لگنے لگے جب دھوتی سے پتلون اُگا ۱۵۴
ہر پیڑ پہ اک پہرا بیٹھا ہر کھیت میں اک قانون اُگا

اے فلک دل کی ترقی کا جو ساماں ہوتا
طاعتِ حق کا ستارا بھی درخشاں ہوتا ۱۵۵

جان لیتا جو شبستانِ فنا کا انجام
صورتِ شمع ہر اک بزم میں گریاں ہوتا

غنچہ پہ مرجھا کے گرا شاخ سے افسوس نہ کر
کھل بھی جاتا تو یہی تھا کہ پریشاں ہوتا

ناصحا نالہ و زاری پہ ملامت ہے عبث
چپ بھی ہوتا تو مرا راز نہ پنہاں ہوتا

کس مپرسی کا گلہ کچھ نہیں مجھ کو اکبر
حال ہی کیا تھا کہ جس کا کوئی پرساں ہوتا

چمنِ دہر میں مایوس رہا میں اکبر
کاش اک پھول بھی تو زینتِ داماں ہوتا

دنیا کا حسن مجھ سے لاعلم ہے تو باشد
افسوس کیا کہ مجھ کو شیطان نے نہ جانا ۱۵۶

رضائے حق پہ راضی رہ یہ حرفِ آرزو کیسا
خدا خالق خدا مالک خدا کا حکم تو کیسا ۱۵۷

خزاں پھرتی ہے آنکھوں میں چمن کا کیا مزا آئے
فنا جب ہے نگاہوں میں تو لطفِ رنگ و بو کیسا

مئے گلرنگ سے بس مسلمِ ناداں کو رغبت ہے
خدا جانے رگوں میں اُس کی بہتا ہے لہو کیسا

گھٹا کر دین کو عزت تری بڑھ سکتی ہے کیونکر
طریقِ کفر میں اے دوست حفظِ آبرو کیسا

۱۵۸ اُس کو نہ پا سکا مگر اس غم میں رو سکا — یہ بھی ہے اُس کا فضل کہ اتنا تو ہو سکا
کوشش یہ تھی خودی کو میں گم کردوں عشق میں — دقت یہ ہو گئی کہ فقط عقل کھو سکا

۱۵۹ ہنس کے دنیا میں مرا کوئی کوئی رو کے مرا — زندگی پائی مگر اُس نے جو کچھ ہو کے مرا
جی اُٹھا مرنے سے وہ جس کی خدا پر تھی نظر — جس نے دنیا ہی کو پایا تھا وہ سب کھو کے مرا
تھا لگا روح پہ غفلت سے دوئی کا دھبّا — تھا وہی صوفیِ صافی جو اسے دھو کے مرا

۱۶۰ اب غم کا بھی حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا — ہوں مضمحل اتنا کہ بہت رو نہیں سکتا
افسوس کہ راحت تو مجھے مل نہیں سکتی — اور جان بلا حکم خدا کھو نہیں سکتا

۱۶۱ خرد سے انکشافِ رازِ ہستی ہو نہیں سکتا — یہ امر اس راز کی عظمت کو لیکن کھو نہیں سکتا
جو ہے آرام وہ بستر تو دروازہ شکستہ ہے — مصیبت دیکھئے نیند آ رہی ہے سو نہیں سکتا

۱۶۲ مرنے والا مر گیا اور رونے والا رو چکا — وائے بر ہستی اگر مقصودِ ہستی ہو چکا
اب جنوں سے کام لوں گا میں رہِ تحقیق میں — عقل کے پیچھے تو اتنا وقت اپنا کھو چکا

۱۶۳ جان بچنے کی نہیں وقت جب آ جائیگا — دوستی بھی ملک الموت سے ہو جائے تو کیا
تازگیِ طبع کی ممکن ہی نہیں ہجر کی شب — قصّہ سنکر بہ تکلف کوئی سو جائے تو کیا

۱۶۴ مرتبہ دنیا میں اس سے بھی سوا ہو آپ کا — یاد رکھئے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا
شیخ صاحب میں ضرورت سے فقط مجبور ہوں — ورنہ میرا بھی عقیدہ ہے وہی جو آپ کا
ہم کو اپنے البم پر ناز کا ہے کیا محل — بے حد ارزاں ہو گیا ہے اب تو فوٹو آپ کا
آپ کے درشن تو ہر کے بھی حصّے میں نہیں — بس لیا جاتا ہے فوٹو ہی سے فوٹو آپ کا
اپنی ہستی پر عبث ہے آپ کو اکبر وثوق — اس کا مالک اور ہی ہے نام ہے گو آپ کا

۱۶۵ اس سے تو اس صدی میں نہیں ہمکو کچھ غرض — سقراط بولے کیا اور ارسطو نے کیا کہا

بہرِ خدا جناب یہ دیں ہم کو اطلاع صاحب کا کیا جواب تھا بابو نے کیا کہا

۱۶۶ لگاوٹوں سے یہ دل لبھانا فریب دے کر تباہ کرنا
غضب ہے ہم کو سمجھ نہ آئی انھیں کو آیا نگاہ کرنا
ستم سے وہ دل مراد کھائیں اور اپنے عشووں کی داد چاہیں
عجب تماشا ہے دل کا رونا زبان کا واہ واہ کرنا
یہ داغ پر داغ دل کے اندر یہ ناتوانی یہ جانِ مضطر
مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو اُداس رہنا اور آہ کرنا

۱۶۷ شکلِ تسکیں مرے دل کو مرے اللہ دکھا راہیں سب بند ہوئیں اپنی طرف راہ دکھا
چمکے وہ مہر کہ گم ہوں یہ چراغِ اوہام نورِ عرفاں سے ہو مملو وہ شبِ ماہ دکھا
آنکھ کو صورتِ فانی نے کیا بے پرخوں چشمِ باطن کو مرے معنیِ دلخواہ دکھا

۱۶۸ خدا کا چاہنا ہے چاہنا، میں کچھ نہ چاہونگا جہاں تک ہو سکے گا بندگی کا حق نباہونگا

۱۶۹ ہند میں بت کو چاہنا ہی پڑا برہمن سے نباہنا ہی پڑا
اسقدر درد ہو تو ضبط کہاں دل کو آخر کراہنا ہی پڑا

۱۷۰ آپ کے ہاتھ میں میں ہاتھ نہیں دے سکتا داد دیتا ہوں مگر ساتھ نہیں دے سکتا

۱۷۱ کل صبح مری وہ کرتے تھے اور بزم میں میں شرمندہ تھا
میں کچھ بھی نہ تھا اور تھا بھی اگر اس وقت میں تھا جب زندہ تھا
تھا کیا ہی سماں تھی کیا ہی وہ شب سینے ہی میں تھے اسبابِ طرب
ہر حرکتِ دل اک نغمہ تھی ہر تارِ نفس سازندہ تھا
گو دیر میں طالب میرے تھے بت کعبے ہی میں پایا میں نے مفر

اس وقت تو صورت اچھی تھی خطرے کا محل آئندہ تھا
افسوس ہے اُس نے قدر نہ کی اور دل کو مرے برباد کیا
بامعنی تھا پائندہ تھا اک گوہر تھا تابندہ تھا

۱۷۲ مانا کہ معذرت سے وہ روبراہ ہوگا — اس سوءِ ظن میں لیکن کب تک نباہ ہوگا
بیدادِ حسن کو اکبر سہتا ہے بے تردّد — کوئی تو ہے کہ جس سے وہ دادخواہ ہوگا

۱۷۳ جیسی دل میں ترنگ آجائے — عشق و مستی کا قاعدہ کیا
رکھ اپنی نظر سوئے ھو اللہ — تو، تو، میں، میں سے فائدہ کیا

۱۷۴ گرم و سرد دہر سے سالک کبھی رُکتے نہیں — چلتی رہتی ہیں ہوائیں ماگھ کیا بیساکھ کیا

۱۷۵ تو ہی ہے ناز مرے دل کا اُٹھانے والا — اے جنوں اب ہیں نہیں آپ میں آنیوالا
ہوش اُڑا دیتا ہے ان خاک کے پتلوں کا جمال — خود وہ کیا ہوگا انھیں ہوش میں لانیوالا
داغ دل ہی کا سہارا ہے فقط اے اکبر — قبر پہ کوئی نہیں شمع جلانیوالا
اپنے غمخانہ کا دروازہ کرو بند اکبر — اب نہیں کوئی سوا موت کے آنیوالا

۱۷۶ زمانہ میرے زخمِ دل کو ہرگز سی نہیں سکتا — جیوں شاید مگر آرام سے اب جی نہیں سکتا
بشر کو زندگی میں غفلتِ امیدِ فردا ہے — مگر دم بھر بھی اپنے قصد سے وہ جی نہیں سکتا
خدا ہی سے بالآخر کام پڑ جاتا ہے اے اکبر — نہیں ہوتا کسی کا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا

۱۷۷ عشق میں حسنِ بتاں وجہِ تسلّی نہ ہوا — لفظ چمکا مگر آئینۂ معنی نہ ہوا
دل میں کہتے تھے کہ یہ ہوگا وہ ہوگا لیکن — کٹ گئی عمر امیدوں ہی میں کچھ بھی نہ ہوا

۱۷۸ غم و تکلیف سے خالی فقط اک حس ہو ہستی کا — نہ چشم غیر میں ہوا اور نہ سودا خود پرستی کا
یہی حالت ہے جسکی آرزو ہے اہلِ باطن کو — یہی لذت ہے جس کا حس فنا ہے اوج ہستی کا

۱۷۹ مذہبی جنگ اب ہے دنیا کیلئے — دین بھی کچھ ہو اگر نقلی تو کیا
نفس ہی کی خواہشوں کا ہے نفاذ — روح نے مذہب کو ڈگری دی تو کیا
آز و دولت میں خود واعظ ہیں غرق — دوسروں پر نکتہ چینی کی تو کیا
بزم ساقی کی کہاں وہ مستیاں — چھپ کے اکبر نے اگر پی بھی تو کیا

۱۸۰ اگرچہ تلخ ملا جام غم فانی کا — مگر محل نہیں ساقی سے بدگمانی کا
میں آہ کر نہ سکا ضبط کی ہوئی تعریف — رہونگا شکر گزار اپنی ناتوانی کا
بعید روح کے خالق سے ہے لقا کی شوق — اگرچہ حق ہے اُسے نازِ "لن ترانی" کا
سوا خدا کے کسی کا خیال آ نہ سکا — غموں نے کام دیا دل کی پاسبانی کا

۱۸۱ یہ بات ہے صاف مجھ سے سُن لے کتاب میں اس کو کیا پڑھے گا
حدود دنیا کے ہیں معین جو یہ گھٹے گا تو وہ بڑھے گا

۱۸۲ خدا کی یاد میں گو جان کو ہے شوق مستی کا — بدن کو کیا کریں جوہر ہے جس میں بت پرستی کا

۱۸۳ جو اہل دنیا کا رخ کروگے سکون خاطر کبھی نہ ہوگا
شریک غفلت بہت ملیں گے شریک عبرت کوئی نہ ہوگا
یہی ہے مذہب کا جزو اعظم کہ دین دنیا پہ ہو مقدم
نئے طریقے میں لیکن اے دوست ہوگا سب کچھ یہی نہ ہوگا

۱۸۴ حال دل خوب کہا ہے یہ زباں کا دعویٰ — دل سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ کچھ بھی نہ کہا

۱۸۵ ہے بدگماں جو وہ بت پروا نہیں کچھ اسکی — ہر برہمن ہے شیدا اکبر کی کافری کا

۱۸۶ حسن دیکھو بتان کاشی کا — چہرہ ہے چاند پورنماشی کا
چشم تر دیکھ کر وہ مس بولی — تکملہ ہے یہ آب پاشی کا

آپ کی مِنّت واہ صَلِّ عَلٰے   سارا فتنہ ہے اِن حواشی کا
ہو گیا "فیل" امتحانوں میں   اب ارادہ ہے بدمعاشی کا

۱۸۷ پوچھو گے جب فلک سے تم سے یہی کہیگا   جو تھا نہ رہ گیا وہ، جو ہے وہ کیوں رہیگا
ہونگے حباب اُبھر کر یونہیں فنا ہمیشہ   موجیں گھٹیں بڑھیں گی دریا یونہیں بہے گا
ذکرِ خدا کا ہوگا جس دل میں ذوقِ اکبر   وہ مطمئن رہے گا غم بھی اگر سہے گا

۱۸۸ علامت روحِ شخصی کی ہوئی کس شے سے تھی پیدا
حوادث یہ کہاں تھے اب ہوئی جن سے خودی پیدا
نگاہیں ہوں تو ویرانے میں بھی آبادیاں دیکھیں
اگر دل ہو تو ہر پہلو سے کر لے دل لگی پیدا

۱۸۹ کچھ نہیں کارِ فلک حادثہ پاشی کے سوا   فلسفہ کچھ نہیں الفاظ تراشی کے سوا

۱۹۰ لکھو "لائف" مری ایامِ جوانی کے سوا   سب بتا دونگا تمھیں "افتدوانی" کے سوا

۱۹۱ خیر اُن کو کچھ نہ آئے پھانس لینے کے سوا   مجھ کو اب کرنا ہی کیا ہے سانس لینے کے سوا
تھی شب تاریک چور آئے جو کچھ تھا لے گئے   کر ہی کیا سکتا تھا بندہ کھانس لینے کے سوا

۱۹۲ جو ہے بلند باطن پستی سے وہ بچے گا   گو پستیوں میں پائے افزودیِ مراتب
ہر چند شیر عاجز اور طالبِ غذا ہو   لیکن نہ کھا سکے گا کتوں کے ساتھ راتب

۱۹۳ یہ اُسے کرتی ہے روشن وہ مٹاتا ہے اُسے   رات سے پوچھو کہ بہتر شمع ہے یا آفتاب

۱۹۴ محاورات کو بدلیں "براہِ ریل" جناب   "ٹکٹ بدست" کہیں اب بجائے پا بہ رکاب

۱۹۵ پہلے تھا نورِ عرفاں خالق سے لَو لگی تھی   قومی مباحثوں سے روشن ہوا دماغ اب
دقعت پہ اب ہیں نازاں سوز و گداز رخصت   قبل اس کے شمع تھے وہ ہیں لعلِ شب چراغ اب

نزع میں انسان سکھ پائے تو خوب ۔ زندگی مرنے کے کام آئے تو خوب ۱۹۶

پنجۂ شیخ سے نکلے تو پریشاں ہیں اب ۔ ٹوٹی تسبیح کے دانے یہ مسلماں ہیں اب ۱۹۷

ضبط کی تکلیف جو کچھ ہو اُسے سہہ لونگا اب ۔ جو مجھے کہنا ہے دل ہی میں اُسے کہہ لونگا اب ۱۹۸

ہر دم خیال رکھے حق کا اگر ہے طالب ۔ ہر سانس کھینچتی ہے جاں آفریں کی جانب ۱۹۹

عاشقانہ آپ کی وحشت نہیں ہے ای جناب ۔ چند سے جب پوچھتے ہیں راہ ویرانے کی آپ ۲۰۰

بالائے عرش ہیں کہ تہِ آسماں ہیں آپ ۔ دعوے سے قبل دیکھ لیجے کہاں ہیں آپ ۲۰۱

کیا جرم ہے یہ حال تو جانے خدائے موت ۔ ہر نفس کے لئے ہے مگر یاں سزائے موت ۲۰۲

کہتی ہے عقل موت یہ ہے بہر زندگی ۔ وہ زندگی کہ جو نہیں ہوگی برائے موت

دنیا کی زندگی تو ہے اک جزو موت ہی ۔ اس کا نتیجہ ہو نہیں سکتا سوائے موت

سانچا یہ زندگی ہے فقط روح کے لئے ۔ جب ڈھل چکے تو سانچے کو جائز ہے آئے موت

کیسی ڈھلی اسی کا ہے لازم ہمیں خیال ۔ نعمت بنائیں موت کو کیوں ہو جفائے موت

ہوتا ہے غم ضرور مگر کچھ ہے مصلحت ۔ اللہ کردے طبع کو راز آشنائے موت

ماضیست کہنہ نقشے مستقبلست وہمے ۔ در حالش ار نہ بینی لے واے بر نگاہت ۲۰۳

بگذار بہ حال خودم اے بزم تعلّے ۔ عبرت زدہ را کار بہ "آخر" زدگاں نیست ۲۰۴

اگرچہ ذکر شہادت پہ جان دیتے ہیں ۔ جو دیکھئے تو ہیں آرام جو حیات پرست ۲۰۵

وہ تیتری ہے یہ بلبل وہ گونج بھونرے کی ۔ بہار باغ نے پیدا کئے نبات پرست

این فتنہ کہ برپا شد و این شور کہ برماست ۔ الزام بہ گردوں منہ از ماست کہ برماست ۲۰۶

وعظ کہنے کو تو موجود ہیں اکبر لیکن ۔ کیا اثر رکھتی ہے اس وقت مسلمان کی بات ۲۰۷

لکھے دیتا ہوں بتوں کو میں عدوئے دل و دیں ۔ آ ہی جاتی ہے زباں پر کبھی ایمان کی بات

۲۰۸ شرط انساں کو سلیقہ ہے سخن گوئی میں　　باغباں سے ہو مخاطب تو کرے پھول کی بات
عقلمندی نہیں دیوانۂ دنیا ہونا　　نہ کرو رد یہ ہے اک بندۂ مقبول کی بات
پُروفیسروں سے ہیں کچھ نہیں حاصل اکبر　　دلِ عاشق میں سماتی نہیں اسکول کی بات

۲۰۸ الف معزبی ذوق ہے اور وضع کی پابندی بھی　　اونٹ پر چڑھ کے "تھیٹر" کو چلے ہیں حضرت

۲۰۹ معترض بھی کوئی حق گو کبھی ہو جاتا ہے　　مگر اس بزم میں یہ سچ ہے کہ "جی ہاں" ہے بہت
وعظ تقوے نہ کہو رحم کرو اکبر پہ　　چشم بد دور ابھی طاقتِ عصیاں ہے بہت

۲۱۰ حالِ ما ماضی نشد مستقبل ما حالِ ماست　　ہستئ دارم کہ ہر دم گم بہ ہستی خداست

۲۱۱ مشرب مرا قناعت، مذہب مرا طریقت　　ملئے اگر تو خادم رکئے اگر تو رخصت

۲۱۲ عقلِ زاہد، عشقِ صوفی میں بس اتنا فرق ہے　　اُس کو خوف آخرت ہے اسکو ذوقِ آخرت

۲۱۳ از "کمیٹی" طمع "جلسہ" نداریم اکبر　　شعرم اندریں من مدح سرایم بایست

۲۱۴ بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ بنو　　بعد مرنے کے کھلے گا کہ یہ تھی کام کی بات
بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں　　کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

۲۱۵ جی کے مرنے میں کیا ہے ناز کی بات　　مر کے جینا ہے امتیاز کی بات
چاہتی تھی زباں کرے توضیح　　دل پکارا کہ ہے یہ راز کی بات

۲۱۶ اس سے بڑھکر کون ہے راہ فنا میں بیقرار　　حصر کی حد سے ہی باہر تیزئ رفتارِ وقت

۲۱۷ اُٹھتی ہیں مجھ سے یہ آہیں دلِ ناشاد عبث　　سننے والا نہیں کوئی تو ہے فریاد عبث
چرخ کہتا ہے ضروری ہے تڑپنے کیلئے　　ورنہ گذری ہوئی باتوں کی ہے اب یاد عبث

۲۱۸ شیخ "آنر" کے لئے آتے ہیں میدان کے بیچ　　"ووٹ" ہاتھوں میں ہے "اسپیچ" قلمدان کے بیچ
وہی قسمت ہی قانون اور اسپر یہ بھیڑ　　اے خدا عقل ہے حیران تری شان کے بیچ

عابدوں کے دم سے ہے یہ رونقِ دربارِ صبح | نعرۂ تکبیر سے ہے گرمئ بازارِ صبح ۲۱۹
جھانکتا ہے اسکی جانب دور سے ہر بیں | خوش نصیب آنکھیں وہ ہیں جن پر کھلیں اسرارِ صبح

یوں تو ہر شے پر اداسی سی نظر آتی ہے | کس مپرسی ہیں کوئی شے نہیں مذہب کی طرح ۲۲۰
مولوی گو کہ ہیں "شمس العلما" پھر بھی ہیں پست | رینگتے پھرتے ہیں پروانۂ بے شب کی طرح

جسم میں یا تو کبھی تھا شوق سے ہیجان روح | یا تعلق جسم سے اب ہو گیا سوہان روح ۲۲۱
عقل انساں کیوں نہ عاجز ہو ترے ادراک میں | روح ہی کو یہ نہ سمجھی اور تو ہے جان روح

گراں نظر پہ ہے مسجد کا با ادب سجدہ | وہ بے خطر ہے جو ہے بزم میں زباں گستاخ ۲۲۲
دلوں کا زور نہ باقی رہے خدا کی طرف | اسی سے لیگ میں جائز رہی زباں گستاخ

زباں ہے ناتوانی سے اگر بند | مرے دل پر نہیں معنی کے در بند ۲۲۳
ہماری بیکسی کب تک چھپے گی | خدا پر تو نہیں راہ خبر بند
بہ یادِ رنج یاراں نظر بند | کیا ہم نے بھی اب ملنے کا در بند
دلوں میں درد ہی کی کچھ کمی ہے | نہیں ہے آہ پر راہِ اثر بند
بتِ "مشرق" نہیں محتاجِ ساماں | کمر ہی جب نہیں کیسا کمر بند
کہوں گا مرثیہ اس غم میں ایسا | کھلے معنی دکھائے جس کا ہر بند
خیالِ چشم فتاں میں ہوا محو | مرا دل اب ہے سینے میں نظر بند

بہ کار دیں ہم آمادہ دل پر جوش می باشد | مسلماں میشویم سلماں چو در آغوش می باشد ۲۲۴

زبان بند ہے اس عہد پر نگاہ کے بعد | سکوت ہی مجھے رہتا ہے اب تو آہ کے بعد ۲۲۵
رکا ہوا ہے جو سائنس لا الہ کے بعد | خدا کو مان ہی لیگا زوالِ جاہ کے بعد
شگفتہ پایا طبیعت کو بعد کار ثواب | دلیر دل کو نہ پایا کبھی گناہ کے بعد

تمھارے عارضِ روشن نے کھولدیں آنکھیں — میں کہہ رہا تھا کہ اب کیا ہے مہر و ماہ کے بعد

۲۲۶ ہے منظم جہان کا پروردگار خود — حیرت میں ہیں حوادثِ بے اختیار خود

۲۲۷ عزتِ اکبر نہ مثلِ برہمن در دیر بود — قشقہ بودش بر جبیں لیکن ز دستِ غیر بود

۲۲۸ ما را ازیں چہ کار کہ "جرمن" چہ میبرود — دریاب ازانگاہ کہ بر من چہ می رود

۲۲۹ ہوائے گلشنِ طبع تو دلکش است اکبر — کہ از گلِ سخنت بوئے یار می آید

۲۳۰ بہ ظاہر تھا براقِ راہ عرفاں — چو دُم بر داشتم "لیڈر" برآمد

۲۳۱ کورس بتے ہیں مری فانی پہ شاد — لیکن نہیں اپنی ناتوانی پہ شاد
کونسل میں بڑھا رہے ہیں طاقت اپنی — عاقل ہیں مکرمی بھوانی پرشاد

۲۳۲ علم ہم از عشق یک اظہار بود — چشم بر زلف و دہانِ یار بود

۲۳۳ مرنے والے ہی کو عزرائیل آتے ہیں نظر — دوسرے دیکھیں تو برپا ہو بڑا دنگا فساد

۲۳۴ پادری سے وہ ملے پہلے تو کیا شیخ کو عذر — دیکھئے پیر کا نمبر تو ہے اتوار کے بعد

۲۳۵ نیچری سمجھ میں تو یہی آیا نظر کے بعد — تفتیش علتوں کی یہاں ہے اثر کے بعد
کچھ روک بند اگر کسی سے نہ ہو سکی — ترکیب سوچتے ہیں مگر کب خبر کے بعد

۲۳۶ غافل یہاں کے لذت و آرام پہ نہ ہو — دنیا میں ہائے ہائے بہت ہے مرنے کے بعد
اک اضطراب دل کو مرے کر گیا خراب — کیا پوچھتے ہو حال زمیں زلزلے کے بعد

۲۳۷ مجھ کو تو اکبر کا یہ مصرع رہا کرتا ہے ورد — جمع ہیں اولاد آدم ہند کے گیہوں کے گرد

۲۳۸ نہ تنہا وجد میں بلبل ہے میری خوش بیانی پہ — گریباں چاک گل بھی ہے مرے رنگِ معانی پہ
تری چوٹی جو پہونچی ایڑیوں تک اسپہ حیرت کیا — یہ پابوسی تو واجب تھی بلائے آسمانی پہ

۲۳۹ جمتا نہیں یقین کوئی میرے ہوش پہ — کاموں کی یاں بنا ہے فقط دل کے جوش پر

کیونکر دلیل دیکھ سکے اُس جمال کو — جس کا خیال برق گراتا ہے ہوش پر

تو وضع پر اپنی قائم رہ قدرت کی مگر تحقیر نہ کر ۲۴۰
دے پائے نظر کو آزادی خود بینی کو زنجیر نہ کر

گو تیرا عمل محدود رہے اور اپنی ہی حد مقصود رہے
رکھ ذہن کو ساتھی فطرت کا بند اُس پہ در تاثیر نہ کر

باطن میں اُبھر کر ضبط فغاں نے اپنی نظر سے کار زباں
دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

پینا وہ ہے کہ مستی ہو اوج معرفت پر — جینا وہ ہے کہ جو ہو اُمید آخرت پر ۲۴۱
کیا ہو بنائے الفت آخر مناسبت کیا — میں خاکِ بیکسی پر وہ تختِ سلطنت پر

قیامت ہے یہ ضد ضبط فغاں ہے اسلئے مجھ کو — کہیں نازاں نہ ہو میری مصیبت اپنی شدت پر ۲۴۲
زبان و چشم و دل اور دست و پا سے کام لو ایسے — کہ روز حشر نازاں ہوں یہ اپنی اپنی حالت پر

اثر اسکا ہے کم ہم بادۂ وحدت کے مستوں پر — عدو نے فتح پائی ہے تو تم سے بت پرستوں پر ۲۴۳

بہت مشکل ہے نو عمروں کا بچنا اُسکے عشووں سے — نئی آنکھوں کے آگے آتی ہے دنیا نئی ہو کر ۲۴۴

ناز اس ظاہر طہارت پر نہ اے مغرور کر — حرص دنیا خود نجس ہے یہ نجاست دور کر ۲۴۵

تمہارے کھیت سے لیجاتے ہیں بندر چنے کیونکر — یہ بحث اچھی ہے اس سے حضرت آدم بنے کیونکر ۲۴۶

گلا جور فلک کا تو بہت کچھ ہو چکا اکبر — سر تسلیم خم کر زور بازو ہو چکا اکبر ۲۴۷

نہ پوچھو کیا اثر اس مصرعۂ اکبر کا ہے ہم پر — ہر اک کے علم کا ہے خاتمہ واللہ اعلم پر ۲۴۸

۳۴۹ فلسفی بھی نوحہ گر ہیں ذہن کے مقسوم پر — پاتے ہیں معلوم کی بنیاد نا معلوم پر

۳۵۰ مجھ کو جائز نہیں یہ عرض کہ بیداد نہ کر — اُن کو زیبا ہے یہ ارشاد کہ فریاد نہ کر
شیخ کہتے ہیں کہ پیروں کی پرستش بھی ہے فرض — ماسٹر کہتے ہیں اللہ کو بھی یاد نہ کر
وحشت انگیز ترقی ہے ترے چرخ اس وقت — تو بگولا نہ بن اور عمر کو برباد نہ کر
حسنِ سنبل سے جو ہو زلف بتاں کا سودا — چھوڑ دے سیرِ چمن کفر کی امداد نہ کر

۳۵۱ جواہر ریزیاں میری زباں کی — زمیں بھی سن رہی ہے کان بن کر
جو قالب بن گئی ہے یہ تو مٹی — یہ کیا شے ہے جو چمکی جان بن کر
پئے شوقِ بقا تھا خانۂ دل — فنا کیوں بس گئی ارمان بن کر

۳۵۲ وہ دولت کیا رہی دن جو تجھ سے متصل ہو کر — ترقی تو وہ ہے رہ جائے دل میں جزوِ دل ہو کر
ہوائے نفس کے تابع ہیں جن کے جسم اے اکبر — انھیں کی روح رہتی ہے بدن میں مضمحل ہو کر

۳۵۳ طے کر منزل ہو گئی ان کا گذرنا دیکھ کر — زندہ دل میں ہو گیا اوروں کا مرنا دیکھ کر
آسماں کی چھت بہت نیچی سرِ نخوت کو ہے — کبر سے کہہ دو کہ دنیا میں ابھرنا دیکھ کر
زیست بے قیمت ہوئی ہے کیسے شوقِ زیست ہے — موت حیراں ہے مرا مرنے سے ڈرنا دیکھ کر

۳۵۴ قصد تو جائز ہے لیکن اپنا قابو دیکھ کر — ہاتھ اٹھاتا چاہیے انساں کو بازو دیکھ کر

۳۵۵ بھروسا باغِ ہستی میں نہیں کچھ نخلِ قامت کا — نفس کیا ہے ہوا کی بیل ہے دھوکے کی ٹٹی پر

۳۵۶ مبتلائے بحث کو رازِ خدا کی کیا خبر — معنیِ بے لفظ و لفظِ بے صدا کی کیا خبر
پایا اک ہنگامہ ہم بھی ہو گئے اسمیں شریک — ابتدا کا علم کیسا انتہا کی کیا خبر

۳۵۷ ظاہر ہوئی کمیٹی و کالج کی اک لکیر — آخر اسی لکیر کے سب ہو گئے فقیر
مرکز جو فطرتی تھے انھیں اب نہیں قرار — چکر میں خود پھنسے ہیں ہمارے امیر و پیر

سوجھتا لکچر ترقی کا تو ہے ہر بات پر | ختم لیکن ہو کے رہجاتا ہی میری ذات پر ٢٥٨

وہ ٹال دیتے ہیں مجھکو "دری بزی" کہکر | میں اُٹھ ہی آتا ہوں الفاظ عاجزی کہکر ٢٥٩

فطرت کی یہ سازش دیکھ ذرا الزام نہ دے پھنس جانے پر ٢٦٠

یہ سوچ پڑی طائر کی نظر کیوں دام سے پہلے دانے پر

مشکل ہی کیا ہے گرنا پائے بتاں پہ رو کر | لیکن ہیں پاؤں ننگا کیا اپنا وقار کھو کر ٢٦١

میں کیا پاؤں گا اکبر جلد سے میں حاضری دیکر | یہ بت رہ جائیں تھوڑی سی دادِ کافری دیکر ٢٦٢

کہاں تک اہلِ دنیا سے کروگے معذرت اکبر | یہی بہتر ہے جلد دو اک جوابِ آخری دیکر

جب مسرت منحصر ہو سعیِ کفر آمیز پر | صبر کرنا چاہئے حالاتِ درد انگیز پر ٢٦٣

ہستی میں ہے یہ مستی وحدت میں فنا ہوکر | عالم کو میں کیوں دیکھوں عالم سے جدا ہوکر ٢٦٤

فتوائے خرد جو ہو دل کی تو صدا یہ ہے | فانی ہے جدا ہوکر باقی ہے خدا ہوکر

مزا ہے عالم حیرت میں پاک طینت کو | عجیب نور برستا ہے چشم نرگس پر ٢٦٥

فروغ دل جو ہو منظور بزم ہستی میں | اشارہ شعلے کا دیکھ اور ہوا کی سن وہ ہسپر

چشم بد دور آپ تو ہیں آپ ہی اپنی نظیر | ناتوانی سے غلام اور علم سے روشن ضمیر ٢٦٦

اکبر خدا کو مان زمان و مکاں کو چھوڑ | عرفاں کا ذوق اگر ہے تو کب اور کہاں کو چھوڑ ٢٦٧

پابند کر نہ ساعت و ساحت کا ذہن کو | دار فنا میں حسرتِ نام و نشان کو چھوڑ

رنگ زمانہ رائے کی کثرت سے ڈر نہ جا | سارا جہاں ہو شرک تو سارے جہاں کو چھوڑ

مسجد نے کہا میرا فسانا بھی ہے اک چیز | کالج نے پکارا کہ زمانا بھی ہے اک چیز ٢٦٨

واعظ کی بلاغت بھی بڑی چیز ہے لیکن | سچ بات ہے یہ دل میں سمانا بھی ہے اک چیز

جیسی حالت پیش آتی ہے زمانہ میں جسے | ذہنِ انسانی میں ویسا ہی اُترآتا ہے عکس ٢٦٩

Whisper at Very busy [illegible]

۲۷۰ یہ مواقع ہیں کہ ہو جاتے ہیں وجہ اختلاف   آئینے کا رخ جہاں بدلا بدل جاتا ہے عکس

۲۷۱ جیسی اکبرؔ بگو مجموعۂ اعمال خویش   بعد ازاں بنگر بیاد آخرت در حال خویش

۲۷۲ ہے یہ رفتار جہاں کونسی حالت کی طرف   بس جواب اس کا یہی ہے کہ قیامت کی طرف

۲۷۳ وضع و روش اطفال کی ہے قوم پہ بار گراں   رسموں کا شکوہ اک طرف مذہب کا رونا اک طرف
کہتے ہیں لڑکے بھی مگر کالج سے فرصت ہے کہاں   یہ ساری باتیں اک طرف اور پاس ہونا اک طرف

۲۷۴ نشاط طبع یہ تھی خوبی بیاں موقوف   دل فگار نے کی شوخی زباں موقوف

۲۷۵ الاماں ہے زخم دل اللہ شدت سوز فراق   المدد اے مرگ مجھ پر زندگانی اب ہے شاق
روشنی طبع وہ مجھ میں کہاں ہے دوستو   شمع مردہ ہوں مجھے رہنے دو اب بالائے طاق

۲۷۶ یہ سوز داغ دل یہ شدت رنج و الم کب تک   ہمارے ہی لئے یہ جور گردوں ہے تو ہم کب تک
یہ دفتر ختم ہو ہی گا بھلا ہی دیگا دہر اس کو   یہ حس کب تک نظر کب تک زباں کب تک قلم کب تک
جو ہیں اہل بصیرت کہتے ہیں اکثر یہ اکبرؔ سے   غنیمت ہے ترا دم ہند میں لیکن یہ دم کب تک

۲۷۷ نگاہ اولیں کے دام میں الجھی ہے اک دنیا   نصیب ہر نظر کب ہے پہنچنا حد حیرت تک

۲۷۸ من از تیغ جفائے چرخ گرداں کشتہ ام بسمل   مخواں مارا بہ بزم عیش خود اے منعم غافل
ترا سرو است و شمشاد است و مارا آہ و فریاد است   ترا باغیست اندر دہ مرا داغیست اندر دل

۲۷۹ کوئی سنتا نہیں تیری تو اس بکنے کا کیا حاصل   کوئی منزل نہیں در پیش پھر تھکنے کا کیا حاصل
اشارہ چشم شوق مشرقی سے ہے یہ مغرب کا   جو قوت ہو تو بسم اللہ منہ تکنے کا کیا حاصل

۲۸۰ کھلتا بہت سکوت سے رنگ بہار دل   لیکن نہ اٹھ سکے گا خموشی سے بار دل

۲۸۱ کچھ نہ سمجھا شب فراق کا حال   کھل گیا یار کے مذاق کا حال
اعتبار آپ کو نہ آئے گا   کیا کہوں اپنے اشتیاق کا حال

فکر ہے دنیائے فانی کی خلافِ شانِ دل — کیجئے ذکرِ خدا سے حاصل اطمینانِ دل ۳۸۲
یار نے پوچھا میں کیا ہوں دل سے نکلی یہ صدا — حاصلِ دل مقصدِ دل مطلبِ دل جانِ دل

سر ترا شا اُن کا، کاٹا اِن کا پانوں — وہ ہوئے ٹھنڈے، گئے یہ بھی پگھل ۳۸۳
شیخ کو یخ کر دیا مومن کو موم — دونوں کی حالت گئی آخر بدل

واعظا ایں نہ جنوں است نہ کافر شدہ ام — اوقات ناشدہ ختم است و من آخر شدہ ام ۳۸۴

کر دیں جو بیکسوں سے ذرا یہ غرور کم — جب بھی نہیں رہیں گے کسی سے حضور کم ۳۸۵

دکھا رہی ہے یہ ترکیب حسنِ طبعِ سلیم — علی کی تم میں جگہ ہو تو بس وہ ہی تعلیم ۳۸۶

عقل مذہب سے دوستی رکھے — نہ تو دشمن ہو اُس کی اور نہ غلام ۳۸۷

زبان علم کی گو متبع ہے وقتِ کلام — مگر یہ تابعِ حکمت نہیں ہے وقتِ طعام ۳۸۸

کبھی اسلام لائے تھے کہ ہو دینِ خدا قائم — اور اب مشرب بدلتے ہیں کہ ہو اپنا جتھا قائم ۳۸۹

بت پوچھتے ہیں مجھ سے کیوں اللہ اللہ ہر دم — میرا جواب یہ ہے دانم چرا نگویم ۳۹۰

مولوی ہو ہی چکے تھے نذرِ کالج اس قبل — خانقاہیں رہ گئی تھیں اب ہے انکا انہدام ۳۹۱
لکچرر مضمون لکھتے ہیں تصوف کے خلاف — الوداع اے ذوقِ باطن الوداع اے فیضِ عام

بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلے پر — صبح کے وقت ہنس پڑی اک "میم" ۳۹۲
جب وہ بولے بجائے کوکڑوں کوں — مرغِ شاخِ درخت "لاہوتیم"

اب جسم میں باقی ہو مسرت کا لہو کم — احباب میں مرحوم بہت سلمہ کم ۳۹۳

اس دارِ فنا کی بحثوں میں کیا صرفِ زباں کیا صرفِ قلم ۳۹۴
دنیا کو بقا کیا اے اکبر کے دن کی خوشی کے دن کا الم
دم بھر میں نشاطِ طبع فنا اک آن میں نازِ جاہ ہوا

کیا بزمِ طرب کیا شانِ شہی کیا بربط و دف کیا طبل و علم

۲۹۵ کوئی موقع نہیں ہے بننے کا — سب کو معلوم ہے کہ میں کیا ہوں
ہو گئی ہے امیدِ مرگ قوی — کل کی نسبت تو آج اچھا ہوں

۲۹۶ دست بستہ پا شکستہ دل فسردہ لب پہ مُہر — کچھ نہ کچھ کرتا ہے ہر اک اے خدا میں کیا کروں
یہ دلِ بیتاب مجھ کو کر رہا ہے کیوں تباہ — ہو گئی اک بات۔ تھا حکم قضا میں کیا کروں
نزع میں پیکِ اجل سے کہہ رہا تھا اک حسیں — تو قضا لایا ہے سر پر اب ادا میں کیا کروں
شکوۂ بیداد کرتا ہوں تو کہتا ہے فلک — خود بخود مجھ سے ٹپکتی ہے جفا میں کیا کروں

۲۹۷ حسنِ فانی کے لئے میرا درِ دل وا نہیں — نازِ عکسِ بے بقا آنکھوں سے اب اٹھتا نہیں

۲۹۸ یہ شاعر رنگِ شب کو گیسوئے لیلےٰ بھی کہتے ہیں — یہی حسنِ تصور ہے جسے سودا بھی کہتے ہیں
بتوں کے ناز پر اس عہد میں لازم ہے خاموشی — برا کہتے ہیں دس اُن کو تو دس اچھا بھی کہتے ہیں

۲۹۹ جہاں سوئی گھڑی کی ہوتی تھی وقت اسکو کہتے تھے — گئی چوری تو ہم سمجھے زمانا اسکو کہتے ہیں

۳۰۰ ؎۱ میں اپنے آپ میں ان شاعروں میں فرق پاتا ہوں — سخن اُن سے سنورتا ہے سخن سے میں سنورتا ہوں

۳۰۱ نہیں ہے گو مرے پائے ثبات کو لغزش — ہوائے دہر سے میں دمبدم پگھلتا ہوں
بسانِ شمع فروغ اپنا ہے ہر اک پہ عیاں — مگر مجھی کو فقط ہے یہ حس کہ جلتا ہوں

۳۰۲ کوئی مونس نہیں ہے بیکسی میں جان کھوتا ہوں — جو روتے تیرے مرنے پر انھیں کو اب میں روتا ہوں

۳۰۳ یہ شانِ بے نیازی اور یہ ہنگامۂ فطرت — گلا کیا مرگِ ہاشم کا وہی کیا تھا ہمیں کیا ہیں

۳۰۴ جان دینا منع ہے اور دل سے غم مٹتا نہیں — سانس لیتا ہوں مگر کام اس سے کچھ چلتا نہیں
تپ نہ ہونے سے نہ سمجھو یہ کہ میں راحت میں ہوں — دل مرا انگارے بھرے ہیں گو بدن جلتا نہیں
یہ بت خود بیں خلاف اکبر کے جو چاہیں کہیں — کفر کے سانچے میں تو بالفعل وہ ڈھلتا نہیں

؎۱ اشارہ مرگِ ہاشم ۱۲

۳۰۵ تمھارا اور ان پھلوں کا مجھ پر نہیں کچھ احسان اے درختو
خدا اُگاتا ہے اُگ رہے ہو خدا کھلاتا ہے کھا رہا ہوں

۳۰۶ مجھ سے رُکتی ہے تو میں شیدائے دنیا کیوں رہوں — یاس کا جب دور ہے محوِ تمنا کیوں رہوں
ہمنشینی خلق کی ہے اب تو وحشت آفریں — اک زمانہ میں یہ سودا تھا کہ تنہا کیوں رہوں
خوب مصرع ہے مگر کس کی زباں سے ہو ادا — یا رہوں اعزاز سے دنیا میں یا کیوں رہوں
اب ہے بیماری ہی اکبرؔ میرا شغلِ زندگی — جب فقط مرنا ہی باقی ہے تو اچھا کیوں رہوں

۳۰۷ بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں — لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

۳۰۸ میں جس کے خامۂ قدرت کا نقش حیرت افزا ہوں — وہی جانے کہ وہ کیا ہے وہی جانے کہ میں کیا ہوں
کوئی سنتا نہیں میری تو پھر اسکی شکایت کیا — میں ہی کیا کر سکا ہوں آج تک اوسکی سنتا ہوں
جناب حضرت اکبر کی کوئی نبض تو دیکھے — یہ کہنے کو تو ہر حالت میں کہدیتے ہیں اچھا ہوں

۳۰۹ قدرت کا رنگ دیکھ نہ ڈھونڈھ اُسکی ماہیت — تصویر کو ٹٹولنے میں کچھ مزا نہیں

۳۱۰ آخرت کے لئے کافی ہے فقط ذکرِ خدا — "سوشل" اغراض کو کچھ پیر بنا رکھے ہیں

۳۱۱ اس موت کے آگے اے اکبرؔ مشغولیٔ دنیا کچھ بھی نہیں
سب کچھ جسے ہم سمجھے تھے ابھی دم بھر میں جو دیکھا کچھ بھی نہیں
تدبیر کی کوئی حد نہ رہی اور بالآخر کہنا ہی پڑا
اللہ کی مرضی سب کچھ ہے بندے کی تمنا کچھ بھی نہیں

۳۱۲ اس گلستاں میں بہت کلیاں مجھے تڑپا گئیں — کیوں لگی تھیں شاخ میں کیوں بے کھلے مرجھا گئیں

ہم اُردو کو عربی کیوں نہ کریں اُردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں
۳۱۳ بحثوں کے لئے اخباروں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں

آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں لیکن اک اکھاڑہ قائم ہے
جب اس سے فلک کا دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

٣١٤ کیوں مجھ سے پوچھتے ہیں وہ کیا چاہتا ہوں میں — کیا دیکھتے نہیں کہ مرا جا رہا ہوں میں

٣١٥ تجھے ہم شاعروں میں کیوں نہ اکبر منتخب سمجھیں — بیاں ایسا کہ دل مانے زباں ایسی کہ سب سمجھیں
نتیجے ترکِ خودداری کے سب پر ہو گئے ظاہر — ترقی خواہ ملت جب نہ سمجھے تھے تو اب سمجھیں

٣١٦ شیخ جی بھی وہی کرتے ہیں جو سب کرتے ہیں — اب تو ہم مصلحتاً اُن کا ادب کرتے ہیں
طلبِ جاہ پہ وہ کرتے ہیں کس کو مجبور — سچ تو یہ ہے کہ ہمیں لوگ غضب کرتے ہیں

٣١٧ یہ انقلاب بھی ہے اور آنجناب بھی ہیں — میں دیکھتا ہوں کہ موجیں بھی ہیں حباب بھی ہیں
ہے میرے دل کو خدا ہی کی رحمتوں کی طلب — کہ وہ وسیع بھی ہیں اور بے حساب بھی ہیں
عجب اصول ہیں رندانِ عشق کے اکبر — گناہ کرتے ہیں اور طالبِ ثواب بھی ہیں

٣١٨ ہوٹل میں جو وہ مطلوب رہے اسٹیج پہ یہ مرغوب رہیں
اُن کے بھی قوافی خوب ملے اِن کی بھی ردیفیں خوب ہیں

٣١٩ تم کو مبارک یہ ہوس جو ہم کہیں وہ سب کہیں — ہم کو تو ہے اس میں مفر سب کی نہیں یا رب کہیں
سورج تو ہے لیکن نہاں ظلمت کے اندر ہے جہاں — تقویم میں تم دن پڑھو ہم حس کے اندر شب کہیں

٣٢٠ آجکل اس انجمن کے کچھ عجب اسلوب ہیں — میں جو کہتا خوب ہوں وہ جب بھی کرتے خوب ہیں

٣٢٠ الف جو شیخ کی ہے یہ خود فروشی کروں کہاں تک میں عیب پوشی
یہ اتنی دنیا سے گرمجوشی حرم میں وہ ہیں کہ "شاپ" میں ہیں
زمیں کی کوئی کرے نہ چوری بڑھی ہے "انجینیری" کی ڈوری
اسی کے پیوند ہوں گے آخر ابھی تو مصروف ناپ میں ہیں

گو بہت اونچی ہے پروازِ حریف   شیخ برگڈ کم نہیں ہیں جمپ میں ۳۲۱
ان کا طوطی بولتا ہے عرش پر   ان کی مرغی بولتی ہے کمپ میں

کسی سے وہ محبت ہو محبت جس کو کہتے ہیں   پھر اُس سے ایسی فرقت ہو کہ فرقت جسکو کہتے ہیں ۳۲۲
دلی حالات کا اندازہ ہو اُس وقت غافل کو   مصیبت ہی نہیں دیکھی مصیبت جسکو کہتے ہیں

بوئے شگفتگی سے مگر بات کی نہیں   خواہش مجھے اب اُن سے ملاقات کی نہیں ۳۲۳
میرے سکوت سے مجھے بے حس نہ جانئے   الفاظ کی کمی ہے خیالات کی نہیں
اس کے سوا کہ شکر کا موقع نہیں ملا   مجھ کو شکایت اُن سے کسی بات کی نہیں

شعر اکبر میں کوئی کشف و کرامات نہیں   دل پہ گذری ہوئی ہے اور کوئی بات نہیں ۳۲۴

دل کو اک غم نے گھیر رکھا ہے   کیا کسی سمت التفات کروں ۳۲۵
ہمنشیں مجھ سے کچھ نہ پوچھ اسوقت   جی نہیں چاہتا کہ بات کروں

کیوں گفتگو کسی کو ہو اس ٹھیک بات میں   شیخی زبان میں ہے حکومت ہے ہات میں ۳۲۶

حُسن فانی جو لبھائے اُسے بت کہتے ہیں   گذراں فصل دلاویز کو رُت کہتے ہیں ۳۲۷

کیا عذر قوم کو ہے ترقی کی بات میں   رغبت کے ساتھ خود ہے وہ "لیڈر" کے ہات میں ۳۲۸
تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور   ناچے "دلہن" خوشی سے خود اپنی برات میں

سیر ہوں سیر سے اس دارِ کہن کی اکبرؔ   اب یہاں میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ۳۲۹

بسے برگڈ میں مغرب کی رفاقت اِسکو کہتے ہیں   ہوئے مدفوں تکئے میں اصالت اسکو کہتے ہیں ۳۳۰
سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اسکو کہتے ہیں   اثر ہو سننے والے پر بلاغت اسکو کہتے ہیں

مایوس ہوں مریضِ غم لاعلاج ہوں   کل بھی جیا تو کیا وہی ہونگا جو آج ہوں ۳۳۱
افسردہ ہو کے کہتی ہے گل کی زبانِ حال   صرصر سے کیا کہوں کہ میں نازک مزاج ہوں

اس زندگی میں ترک تعلق کا ذکر کیا — جب تن میں جان ہے ہمہ تن احتیاج ہوں

۳۳۲ مذہبی تلقین اور ایسے شدائد الاماں — ایک نام حق کے ساتھ اتنے زوائد الاماں

۳۳۳ ہر شیخ یہ کہتا ہے عقائد ہیں تو یہ ہیں — تو سید یہ کہتی ہے زوائد ہیں تو یہ ہیں

۳۳۴ بے بصرہ وہ ہیں جو بحثوں میں یہاں خرسند ہیں — جنکی آنکھیں کھل گئیں اُنکی زبانیں بند ہیں

۳۳۵ وہ اپنی حد سے باہر قائم یہ اپنی حد میں — یہ عمدہ فرق میں نے پایا ہے نیک و بد میں
تیری ہی حد میں تیری ساری سرتیں ہیں — مشکل ہے بحث کرنا میرے سخن کے رد میں

۳۳۶ بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں — ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

۳۳۷ الگ خیال سے یہ دینوی مظاہر ہوں — نماز کا ہے مزا جب حواس طاہر ہوں
مخالفیں کو ہم کہہ تو دیتے ہیں کافر — مگر یہ ڈرتے ہیں دل میں ہمیں نہ کافر ہوں

۳۳۸ حواس ظاہری کے دام میں اوہام حاضر ہیں — مگر یہ صید خود صیاد اطمینان خاطر ہیں
مرا اسلام ہی کیا ہے کہ حکم کفر دوں اکبر — وہی کافر ہیں جو اللہ کے نزدیک کافر ہیں

۳۳۹ بادۂ عرفاں کہاں یہ بحث کا دفتر کہاں — کفر ہے اس انجمن میں کون کیا کیونکر کہاں
خانۂ تن کے بھی اجزا میں ہے پیہم انقلاب — کیا بتائیں ہم کسی سے ہے ہمارا گھر کہاں

۳۴۰ جن کو جینا ہے بنیں بجلی ہوس کے ابر میں — پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں یاں تو قبر میں
چند مومن بھی اسیر زلف دُنیا ہو گئے — چاندنی تو ہے مگر لپٹی ہوئی ہے ابر میں
ہاتھا پائی شاہد مغرب سے ہم کرتے نہیں — بابوؤں ہی کو مزا ہے بوسۂ بالجبر میں

۳۴۱ گو مجھ میں ہے بلاغت گو شعر با اثر ہیں — لیکن مرے مصائب مجھ سے بلیغ تر ہیں

۳۴۲ کس طرح جا بچے گا اپنے آپ کو اے فلسفی — فرق کیا لازم نہیں ہے ناظر و منظور میں

۳۴۳ آپ کی ہرگز نہیں کے آگے کیا بس ہے مرا — لیکن اتنا تو ذرا سن لوں کہ آخر کیوں نہیں

[1] سنہ ۱۹۰۹ء میں آنکھ پر آپریشن ہوا تھا اور مجھ کو ہدایت تھی کہ بات نہ کروں ۱۲

اُن کے گھر کی آگ بجلی میرے گھر مٹی خراب — یا الٰہی مجھ پہ الطافِ عناصر کیوں نہیں
اسقدر دلکش ہے رنگِ طبعِ اکبر دیر میں — بت کو حسرت ہے کہ یہ کمبخت کافر کیوں نہیں

۳۴۴
ہم کیوں یہ مبتلائے بیتابیٔ نظر ہیں — تسکینِ دل کی یارب وہ صورتیں کدھر ہیں
ذرّے جو گل بنے تھے وہ بن گئے بگولے — جو زینتِ چمن تھے وہ خاکِ رہگذر ہیں
دنیا کی کیا حقیقت اور ہم سے کیا تعلق — وہ کیا ہے اک جھلک ہے ہم کیا ہیں اک نظر ہیں
ہم نے سنا بہت کچھ حالِ جہانِ فانی — افسانہ گو غضب ہیں قصّے تو مختصر ہیں
پیدا کئے فلک نے نادیدنی مناظر — نیچی ہیں اُن کی نظریں جو صاحبِ نظر ہیں
غمخانہ جہاں میں وقعت ہی کیا ہماری — اک ناشنیدہ اُف ہیں اک آہ بے اثر ہیں
کیا مشرقی کفن بھی وہ ترک کر سکیں گے — اوضاعِ مغربی میں جو غرق سر بسر ہیں
اکبر کے شعر سُن کر کہتے ہیں اہلِ باطن — اب بھی خدا کے بندے کچھ صاحبِ اثر ہیں

۳۴۵
اپنی مرضی کے موافق دہر کو کیونکر کروں — بیحد آتا ہے مجھے غصّہ مگر کس پر کروں
چل بسے چھوٹے بڑے تھا جن سے لطفِ زندگی — مجھ پہ کس کو ناز ہے میں ناز اب کس پر کروں
وصل کی شب جستجوئے سم ہو ہی جائیگی سحر — لطف اُٹھاؤں یاد رازی کی دعا شب بھر کروں
دورِ بیمہری ہے امیدِ محبت کس سے ہو — اُڑ رہی ہے خاک سو کس کے دل میں گھر کروں

۳۴۶
داغِ دل پر نظرِ یاس نہ کر اے اکبر — کوئی ذرّہ چمنِ دہر میں بیکار نہیں
تجھ پہ گلزار کھلائے گا یہی داغ کبھی — آج گو طبع تری محرمِ اسرار نہیں

۳۴۷
یہ جتنے ذرّے جہانِ فانی کے اتنی شکلوں میں جلوہ گر ہیں
خدا کی ہستی کے سب ہیں شاہد اور اپنی ہستی سے بیخبر ہیں
تغیّر اتنا کہ گم تعین - تعین ایسا کہ اپنی ہی دھن

کمال ایسا کہ سب ہیں حیرت جمال ایسا کہ سب نظر ہیں
حواس کچھ نیک کام کر لیں کہ جیب و دامن کو اپنے بھر لیں
مرے معانی کی حد نہیں ہے اگرچہ الفاظ مختصر ہیں

۳۴۸ دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں | بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں
زندہ ہوں مگر زیست کی لذت نہیں باقی | ہر چند کہ ہوں ہوش میں ہشیار نہیں ہوں
اس خانۂ ہستی سے گذر جاؤنگا بے لوث | سایہ ہوں فقط نقش بہ دیوار نہیں ہوں
افسردہ ہوں عبرت سے دوا کی نہیں حاجت | غم کا مجھے یہ ضعف ہے بیمار نہیں ہوں
وہ گل ہوں خزاں نے جسے برباد کیا ہے | الجھوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں ہوں
یا رب مجھے محفوظ رکھ اُس بت کے ستم سے | میں اُس کی عنایت کا طلبگار نہیں ہوں
گو دعوئ تقوے نہیں درگاہ خدا میں | بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں
افسردگی و ضعف کی کچھ حد نہیں اکبرؔ | کافر کے مقابل میں بھی دیندار نہیں ہوں

۳۴۹ حرج کیا وقعت نہیں میری جو بزم غیر میں | عزت مسلم ہے اُس کی کس مپرسی دیر میں
تار برقی سے ہوا معلوم حال زار روس | شور برپا ہے کلیسا میں حرم میں دیر میں
آسمانی توپ چلتی ہے کہیں صدیوں کے بعد | لیکن اُڑ جاتی ہیں ساری غفلتیں دو فیر میں

۳۵۰ چرخ نے پیش کمیشن کہدیا اظہار میں | قوم کالج میں اور اس کی زندگی اخبار میں

۳۵۱ حواس سب ہو گئے معطل اور آنکھ بھی بند کر چکے ہیں
لحد میں گڑنا ہے صرف باقی زمانہ گزرا کہ مر چکے ہیں

۳۵۲ کارگر اُس بت کی تدبیریں بالآخر ہو گئیں | گو ہوں مسلم خواہشیں میری بھی کافر ہو گئیں

۳۵۳ بُت سے حاصل کی موافق اپنے رائے | نشۂ نخوت میں اب سرشار ہیں

پوچھے کوئی حضرت والا سے یہ — آپ فاتح ہیں کہ ڈگریدار ہیں

۳۵۴ اب میں سرگرمی سے کوئی سعی کرتا ہی نہیں — بعد ان مایوسیوں کے دل ابھرتا ہی نہیں
سلسلا ہے بیقراری کا ہماری زندگی — سانس رکتی ہی نہیں اور دل ٹھہرتا ہی نہیں
منزلِ صبر و رضا کو سمجھے تھے آباد ہم — لیکن اس جانب اب کوئی گذرتا ہی نہیں
افعیٔ حرص و ہوا پر ضربتیں ہیں بے اثر — ٹوٹتی ہیں لاٹھیاں کم بخت مرتا ہی نہیں
یاس اب خوبانِ مشرق کو ہوئی عشاق سے — اسقدر افسردہ ہیں کوئی سنورتا ہی نہیں

۳۵۵ اس سرو قد پہ اکبر مدت سے مر رہا ہوں — اللہ راست لائے کوشش تو کر رہا ہوں

۳۵۶ نمبر اول کا دعوے ہو جنھیں باہم لڑیں — خوش نصیبی سے یہاں تو دوسرے نمبر پہ ہیں

۳۵۷ جان مردہ ہے بدن افسردہ ہے مانند خاک — میں رہا ہوں گا کبھی لیکن اب اپنی قبر ہوں

۳۵۸ مجبور بدل جانے پہ یہاں اقبال و حشم کے دور بھی ہیں
یکتائی کا دعویٰ خوب نہیں اللہ کے بندے اور بھی ہیں

۳۵۹ قوت سیر جو حاصل ہو تو دیوار نہ بن — پنجۂ غیر میں رہنا ہو تو تلوار نہ بن
دل کی خاطر تو ہے لازم تجھے بک جانا بھی — صرف آنکھوں کا مزا ہو تو خریدار نہ بن
آتشِ شوقِ بتاں میں نہ جلا دل اپنا — کافری کا سببِ گرمیٔ بازار نہ بن
بت پرستی میں بھی رکھ حسن کے پہلو پہ نظر — ہار بن - دَیر سے رشتہ ہو تو زنار نہ بن
دل سے کہہ سکتے ہیں ہاں شمع بصیرت نہ بجھے — وقت سے کہہ نہیں سکتے کہ شبِ تار نہ بن
دستِ قدرت میں ہے یہ خاک ہمیں اے اکبر — اس سے کیونکر یہ کہوں پھول ہی بن خار نہ بن

۳۶۰ ہے ہم سے چرخ برسرِ کیں غور کیا کریں — بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے اور کیا کریں
ہے صبر ہی تو دیدہ و فرصت کی بات ہے — للہ یہ بتائیے فی الفور کیا کریں

اپنے جو تھے مشیر وہ سب ان سے مل گئے کرنا پڑا سکوت بہر طور کیا کریں
"پائپ" کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ اب بھاگنا ضرور ہوا غور کیا کریں

۳۶۱ وہ تھے آئینِ ملت لاکھوں ہی کو ایک کرتے تھے یہ کیا جو ایک کو دو اور دو کو چار کرتے ہیں
یہ پروانوں کا شمعوں سے لپٹنا اور جل مرنا محبت کی روش یہ بھی ہے یوں بھی پیار کرتے ہیں
بڑھانا شوق کا منظور ہے یا مضمحل کرنا نزاکت کا جو مجھ سے اسقدر اظہار کرتے ہیں
ترقی کی تماشا گاہ میں اس وقت اے اکبر وہ منظر ہیں کہ مجھ کو ہوش سے بیزار کرتے ہیں

۳۶۲ حشر تک کھل نہ سکے راز اسے کہتے ہیں جستجو پھر بھی کرو ناز اسے کہتے ہیں

۳۶۳ وجدِ عارف کی حقیقت کچھ سنا دوں آپ کو گو کہ میری اصل کیا اک بندۂ ناچیز ہوں
ناچتی ہے روح انسانی بدن میں شوق سے جب کبھی پا جاتی ہے یہ تو کہ میں کیا چیز ہوں

۳۶۴ کچھ اعتبار نہیں مجھکو اپنے ہونے کا یقین میں میں نہیں ہوں فقط قیاس میں ہوں
ثواب کہتا ہے مل جاؤں گا گر ان کی مدد چھپا ہوا میں غریبوں کی بھوک پیاس میں ہوں

۳۶۵ خدا شناس تو ہونا نہیں ہے سہل اکبر یہی بہت ہے جو دنیا شناس ہو جاؤں

۳۶۶ جہاں درشن تمھارے ہوں وہیں دھونی رماؤں گا الہ آباد کا قیدی نہ پابندِ بنارس ہوں

۳۶۷ کسی سے پوچھتا میں کیوں تصوف کس کو کہتے ہیں خود اپنے دل کو دیکھا اور سمجھا اس کو کہتے ہیں

۳۶۸ مرے دل کا نہ سمجھا حال کچھ بھی "ڈاکٹر مس" نے تو پھر دعوے یہ کیا ہے میں تری رگ رگ سے واقف ہوں

۳۶۹ وہ دل کا رنگ نہیں گو حرم کے طوف میں ہوں مقامِ شوق میں تھا اب محلِ خوف میں ہوں

۳۷۰ موت سے ڈرتا ہوں میں گو موت کا شائق بھی ہوں یعنی شبہ ہے کہ ایسے شوق کے لائق بھی ہوں
ہو نہیں سکتا بیانِ حالِ دل الفاظ میں جوش بھی ہے طبع میں اور شعر میں فائق بھی ہوں

۳۷۱ زیادہ گوئی سے اب ہم اسی سے رکتے ہیں جو خوب کہتے ہیں اکبر وہ کہہ بھی چکتے ہیں

خشک ہے بالکل شجر امید کا — گل میں سرخی ہے نہ سبزی برگ میں ٣٧٢
شغل اپنا کیا بتاؤں آپ سے — جی رہا ہوں انتظارِ مرگ میں

مسرت مجھکو اب دشوار ہے دنیا کی محفل میں — خوشی کی قابلیت ہی نہیں باقی رہی دل میں ٣٧٣

جھکا کر سر کو سجدے میں جم اپنے دل میں پہنچے ہیں — نہ پوچھو وہ کہاں ابھرے ہیں کس منزل میں پہنچے ہیں ٣٧٤

ذوقِ ہوائے کوچۂ قاتل کو کیا کروں — مہلک سہی یہ شوق مگر دل کو کیا کروں ٣٧٥
اظہار اضطراب کا شائق نہیں ہوں میں — پہلو میں لیکن اس دلِ بسمل کو کیا کروں
قطعِ نظر گلوں سے نہیں مانعِ جنوں — بوئے بہار و شورِ عنادل کو کیا کروں

مقبول جو ہوں شاذ ہیں۔ قابل تو بہت ہیں — آئینے کے مانند ہیں کم۔ دل تو بہت ہیں ٣٧٦
وہ کم ہیں تڑپنے میں جنھیں ملتی ہے لذت — یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں

علم دیں حاصل کیا لیکن قباحت یہ ہوئی — صرف سکھلانے میں لذت ہے عمل میں کچھ نہیں ٣٧٧
زیست کا مصرعہ ہے خود آہ سوزاں تب ہے لطف — ورنہ اے اکبر تری نظم غزل میں کچھ نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ ہیں آپ نہایت قابل — میں اسی سوچ میں رہتا ہوں کہ کس قابل ہوں ٣٧٨

لذت ہے روح کو تنِ خاکی سے میل میں — فطرت نے مست یہ رکھا ہے قیدی کو جیل میں ٣٧٩
فتح و شکست پر نظریں آپ ہی کی ہوں — اپنی تو دل لگی ہے فقط پاس و فیل میں

ذلت اٹھا رہا ہوں میں قلیوں کے غول میں — اچھے وہی جو لکھ گئے آنر کے رول میں ٣٨٠

وہی زندہ ہیں طاقت ہے جو صرفِ عقل کرتے ہیں — ہماری زندگی کیا زندگی کی نقل کرتے ہیں ٣٨١

باطن بہت ہیں ایسے جو مشتعل نہیں ہیں — سینے میں سب کے دل ہے سب اہل دل نہیں ہیں ٣٨٢

خدا جانے مرا کیا وزن ہے ان کی نگاہوں میں — سنا ہے آدمی کو وہ نظر میں تول لیتے ہیں ٣٨٣

تفرقوں کے یہ جو طوفاں ہیں بپا کچھ کم تو ہوں — ہم کو کرنا چاہیے سب کچھ مگر ہم ہم تو ہوں ٣٨٤

دیکھ لیگا خود کہ کس عالم میں لیجاتا ہے دل ۔۔۔ مجھ کو جتنے ہیں مگر اتنے کسی کو غم تو ہوں
جام کی صورت جو ساقی خود ہوں گردش ہیں تو کیا ۔۔۔ شان محفل تمکنت ہی میں ہے پہلے جم تو ہوں

۳۸۵ خدا کے نام کا ہے احترام عالم میں ۔۔۔ نہ صرف آپ ہیں، ہم ہیں تمام عالم میں
اسی کا نام نہ کیوں مرکز زباں ہو جائے ۔۔۔ کہ اختلاف سے خالی ہو کام عالم میں
خدا پرست کو کافی ہے مثل ابراہیم ۔۔۔ زوال شمس و قمر صبح و شام عالم میں
یہی مشن تھا جناب رسول اکرم کا ۔۔۔ اور آج انھیں کا تو روشن ہے نام عالم میں

۳۸۶ حسن آغاز تو رکھتا ہے یہ عیش دنیا ۔۔۔ مگر افسوس یہ ہے خوبیٔ انجام نہیں

۳۸۷ تعلّی کی نہیں لیتے ہم ایسے ہیں ہم ایسے ہیں ۔۔۔ مگر ہم جتنے ہیں بیزار دنیا سے کم ایسے ہیں
مری ہر وقت کی افسردگی ہے بار یاروں پر ۔۔۔ مگر میں کیا کروں اسکو خدا شاہد غم ایسے ہیں

۳۸۸ سینے میں تپش ہے دل میں غم ہیں ۔۔۔ اللہ اللہ ہے اور ہم ہیں
جن میں للّٰہ دوستی ہو ۔۔۔ اب ایسے بزرگوار کم ہیں

۳۸۹ حقیقت کیا مری ہستی کی اک ذرے سے بھی کم ہوں ۔۔۔ تعجب اسپہ آتا ہے کہ میں بھی جزوِ عالم ہوں
بحمد اللہ مری ہستی نہیں ہے بار فطرت پر ۔۔۔ زمیں پر ہوں تو سبزہ ہوں گلو میں ہوں تو شبنم ہوں

۳۹۰ کتنے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں ۔۔۔ کافی ہے یہ شرف کہ وفاتی سے کم نہیں

۳۹۱ مس سے بیگم نے کہا کل تو کہاں اور ہم کہاں ۔۔۔ بوٹ کی چرچر میں کیا رکھا ہے یہ چھم چھم کہاں
مس یہ بولی پڑھ کے نکلو تو ذرا اسکول سے ۔۔۔ اور ہی چالیں نظر آئیں گی یہ عالم کہاں

۳۹۲ اولڈ مرزا ہر طرف بدنام ہیں ۔۔۔ ینگ بڈھو وارثِ اسلام ہیں
گردش گردوں کے آگے کس کا زور ۔۔۔ کون دم مارے خدا کے کام ہیں

۳۹۳ ناچیز ہے سکوں تو تلاطم بھی کچھ نہیں ۔۔۔ ہم کچھ نہیں یہ سچ ہے مگر تم بھی کچھ نہیں

کیا نور تھا نگاہِ جنابِ جنلیل میں — شمس و قمر میں کچھ نہیں انجم بھی کچھ نہیں ۳۹۴

شکم ہوتا تو میں اس عہد میں پھولا ہوا رہتا — سراپا دل بنا ہوں اس سبب سے کشتۂ غم ہوں ۳۹۵

نہ واعظ کی کوئی سنتا نہ پڑھتا ہے مصنف کی — زباں کٹتی ہی رہتی ہے قلم چلتے ہی رہتے ہیں ۳۹۶
جو تھک کر بیٹھ جاتا ہوں زمیں کہتی ہے یہ مجھ سے — ترے رکنے سے کیا ہوتا ہے ہم چلتے ہی رہتے ہیں

نئی تعلیم میں تقوے کا وہ اکرام کہاں — ناز بے حد ہیں مگر غیرتِ اسلام کہاں ۳۹۷

نئے زمانے کی ہسٹری کے عجیب مفہوم بن رہے ہیں — کہ خدمتِ دَیر کی بدولت حرم کے مخدوم بن رہے ہیں ۳۹۸

مفتیِ شرع نہ ہوں لیڈرِ اسلام تو ہیں — بوئے مسجد نہ سہی کیمپ کے گلفام تو ہیں ۳۹۹

منہ لگایا جنھیں اس بت نے بنے وہ ناقوس — سازِ ملت میں تو اب سُر ہی اسلام کے ہیں ۴۰۰
نہ نظر آئے جبیں پر جو نشانِ سجدہ — تو سمجھ لو یہ مسلمان فقط نام کے ہیں

یہ اختلافِ صورتِ فطرت کی مستیاں ہیں — یہ انکشافِ معنی ذہنوں کی ہستیاں ہیں ۴۰۱
دیوانۂ چمن کی سیر میں نہیں ہیں تنہا — عالم ہیں ان گلوں میں غنچوں میں بستیاں ہیں
ساقی سے بے خبر ہیں مستانِ بزمِ ہستی — یا بے ہشی ہی طاری یا خود پرستیاں ہیں
اس منزلِ فنا کو اکبر نے خوب دیکھا — جتنی بلندیاں ہیں نظروں کی پستیاں ہیں

ہے جو لب پر شکوہ سمجھیں اسکو یا آہیں کہیں — میں ہوں مستِ بادۂ غم لوگ جو چاہیں کہیں ۴۰۲
جو طریقے کامیابی کے بتاتے ہیں یہ بت — ہیں یہ سب دامِ ہلاکت آپ انھیں راہیں کہیں

وہ چیزیں نفس کو جن سے مسرت ہے نمایاں ہیں — جو اخلاقی نتیجے دل پہ گذرینگے وہ پنہاں ہیں ۴۰۳

جس طرف اُٹھ گئی ہیں آہیں ہیں — چشمِ بد دور کیا نگاہیں ہیں ۴۰۴
ذرہ ذرہ ہے خضرِ شوق تو ہو — چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں
ماسٹر کی مشیختیں دیکھو — اب تو کالج ہی خانقاہیں ہیں

۴۰۵ روح ہے تن میں مگر دل میں مرے جان نہیں — داغ ہی داغ ہیں اب اور کوئی ارمان نہیں
سخت مشکل ہے مسلمان کو اس وقت فروغ — اور قناعت کی جو کہئے تو وہ آسان نہیں

۴۰۶ ہیں سخت مصیبت میں آرام کہاں پائیں — دنیا سے ملیں کیونکر چھوڑیں تو کہاں جائیں

۴۰۷ جب خدمت دل میں لہنے کو خالق نے زبانیں دیں منھ میں
اچھے ہیں وہی دل اے اکبر اللہ کی باتیں جن سے اٹھیں
اس بزم میں مجھ سے کہتے ہیں سب موقع کے مطابق بات کہو
اور ہم نے یہ دل میں ٹھانی ہے یا دل کی کہیں یا کچھ نہ کہیں

۴۰۸ صورت گل ہمہ تن گوش ہوں اس محفل میں — کہ جہاں بلبل و قمری ہیں غزلخوانوں میں

۴۰۹ ہے موت میں ضرور کوئی راز دل نشیں — سب کچھ کے بعد کچھ بھی نہیں یہ تو کچھ نہیں

۴۱۰ طالب العلموں کو لیجاؤ کمیٹی میں نہ تم — کہیں ایسا نہ ہو یہ قوم پہ عاشق ہو جائیں

۴۱۱ فرقت میں شوق دید گل اے باغباں نہیں — راحت کہاں نظر کو جب آرام جاں نہیں

۴۱۲ کتنا ہی غم ہو رہتی ہے امید بہتری — شکر خدا کہ قلب مرا بدگماں نہیں
اصرار شوق ہے کہ کئے جاؤ عرض حال — ایمائے ناز ہے کہ چلی جائے ہاں نہیں

۴۱۳ بنگلوں ہی کی چھتوں پہ کریں شاعر اب نگاہ — دور جدید میں کوئی شے آسماں نہیں

۴۱۴ جو خوش کریگا چاہے گا مجھ کو بھی خوش کرو — اس کو سمجھ کے تو کوئی منت قبول کر

۴۱۵ ہو گیا ہوں اس قدر افسردہ و زار و حزیں — چل دئے ہیں چھوڑ کر مجھ کو کراماً کاتبیں

۴۱۶ اب کیا دنیا سے دل لگے گا — آنکھیں چھت سے لگی ہوئی ہیں

۴۱۷ پڑ جائیں ابھی آبلے اکبر کے بدن میں — پڑھ کر جو کوئی پھونک دے "اپریل مئی جون"

۴۱۸ اس شرط پہ ہم سے فلک سے صلح آخر ہو گئی — قبریں مہیا وہ کرے تزئین ان کی ہم کریں

بتوں میں حسن نہیں برہمن میں جان نہیں — وہی جگہ ہے مگر دیر کی وہ شان نہیں ۴۱۹

ہو رہا ہے نفاذ حکم فنا — نہ مکیں اس سے بچتے ہیں نہ مکان ۴۲۰
تو ہیں خود آ کے اب تو میداں میں — کہتی ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ

دنیا کو خوب دیکھا جتنی محبتیں ہیں — موقع کی سازشیں ہیں مطلب کی ساعتیں ہیں ۴۲۱
البتہ جو تعلق دینی خیال سے ہے — اس میں وفا ہے شامل اور دل کو راحتیں ہیں

وہ رنگ بزم نہیں ہے تو رند کیا ابھریں — بہار ہی نہیں باقی تو پھر جنون کہاں ۴۲۲

مدت سے ہوش میں ہوں نذرِ دل و زباں ہوں — لیکن کھلا نہ اب تک میں کون ہوں کہاں ہوں ۴۲۳
پیری ہے اب ہوں ماضی لب پر ہے ذکر ماضی — پہلے فسانہ جو تھا اب اپنی داستاں ہوں
ہر بت کہ جس کو سمجھا آنکھوں نے صدر ہستی — آخر میں بول اٹھا میں سنگ آستاں ہوں

وہ چاہتے ہیں اس کو دم دے کے میں بلاؤں — یاں دل میں یہ ٹھنی ہے مر جاؤں اور نہ جاؤں ۴۲۴
اظہار عقل میں ہیں احباب گرم کوشش — اور مجھ کو فکر یہ ہے اپنا جنوں چھپاؤں
ساز طرب ملا کر بیٹھے ہیں سننے والے — پھر میں فسانۂ غم کیونکر انہیں سناؤں
میری طرف سے کیوں وہ مایوس ہو رہے ہیں — بیمار تو پڑا ہوں ممکن ہے مر بھی جاؤں

باقی نہیں وہ رنگ گلستانِ ہند میں — محنت کا اب ہے کام گلستانِ ہند میں ۴۲۵

لکھا تھا کہ مشتاق ملاقات ہوں بیحد — پاؤں جو اجازت تو دمِ چند کو آؤں ۴۲۶
آیا یہ جواب آئیے جب چاہئے لیکن — افسوس کہ میں آپ کا مشتاق نہیں ہوں

دنیا کی یہ قدیمی کوتہ خیالیاں ہیں — جیتے تو تالیاں ہیں ہارے تو گالیاں ہیں ۴۲۷

کسی کو بحث نہیں آج پاپ اور پن میں — سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں ۴۲۸
وہ بدگماں مرے جوشِ نگاہِ شوق سے ہیں — نہ احتیاط ہے مجھ میں نہ حسن ظن ان میں

۴۲۹ عزلت ہی ہے مناسب کیوں دل میں یہ نہ ٹھانوں — دنیا مجھے نہ جانے دنیا کو میں نہ جانوں
میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا — نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

۴۳۰ کہوں کچھ اُن سے اثر ہو تو اعتبار آئے — سُنا تو میں نے بھی یہ ہے کہ خوب کہتا ہوں

۴۳۱ دست و پا بستہ ہوں میں ظاہر کوئی گن کیا کروں — دوسروں کے بس میں ہوں فکر تمدن کیا کروں
آگ سی لگنے لگی جب اس گلستاں کی ہوا — خواہش نشو و نمائے نخل و گلبن کیا کروں
مہربانی سے مجھے گودام کی کنجی تو دی — لیکن اب گیہوں نہیں باقی فقط گھن کیا کروں
دیر میں کل گا رہی تھی اک زن زہرہ جبیں — جب پیا پایا ملے مجھ کو تو اب پُن کیا کروں
عقل روتی ہے کہ یہ گتھی سلجھتی ہی نہیں — ہر گرہ لوہا بنی ہے شکر ناخن کیا کروں

۴۳۲ سنی سنائی کہانیاں ہیں زباں کی خوش بیانیاں ہیں
وہ جانفشانی کہاں ہے باقی جو ہیں وہ بس گل فشانیاں ہیں
نہ تجربے کی فغاں کا سامع نہ ذوق عقبیٰ کا کوئی طامع
نئی نگاہیں نئے مناظر زمانہ ہے اور جوانیاں ہیں
یہ بت ہیں بالکل ذلیل و احقر جنھیں بصیرت نہیں ہے اکبر
انھیں سے اُن کا غرور ہے یہ انھیں سے یہ لن ترانیاں ہیں

۴۳۳ ہرگز نہ لچیں بے دینی سے اور شرک کی ضد پر تن جائیں
اللہ کے جتنے بندے ہیں سب پہ ہے فرض کہ بھائی بن جائیں
اللہ و نبی کی مرضی ہے یعنی یہ مسلماں آپس میں
دشمن بھی جو ہیں وہ دوست بنیں روٹھے بھی جو ہیں وہ من جائیں
ہر چند کہ اُن پر تنگی ہو کتنا ہی ہوا کا رُخ بدلے

طاعت کو مقدم گردانیں اور نیک عمل پر ٹھن جائیں

۴۳۴ انکشافِ رازِ ہستی عقل سے ممکن نہیں   متصل ہو سطحِ ظاہر سے یہ وہ باطن نہیں

۴۳۵ قابلِ ردِ پیشِ دانش مندیہ مضموں نہیں   ہر زباں ہر گفتنی کیواسطے موزوں نہیں

۴۳۶ بے گانگی نہیں ہے بس اتنی دوستی ہے   میں اُن کو جانتا ہوں وہ مجھکو جانتے ہیں

۴۳۷ دیکھکر مجھ کو وہ کہتے ہیں کہ اچھے تو رہے   زندہ ہیں سانس لیے جاتے ہیں اچھے کیا ہیں

۴۳۸ خوب اکبرنے یہ اڑائی تان   دین ہے آنکھ اور مذہب کان

۴۳۹ غمِ خانۂ جہاں سے آگاہ ہو چکا ہوں   داغوں سے دل بھرا ہے کتنوں کو رو چکا ہوں

۴۴۰ کیا خوشی سے ہم آہ کرتے ہیں   کیوں وہ ایسی نگاہ کرتے ہیں

پھیرتے ہیں نگاہ دُنیا سے   آنکھ کو رو براہ کرتے ہیں

۴۴۱ خوشی سے واہ کرتا ہوں نہ غم سے آہ کرتا ہوں   محل حیرت کا ہے بس اللہ ہی اللہ کرتا ہوں

قناعت ہے مری دولت دیانت ہے مری عزت   نہ حرص مال رکھتا ہوں نہ فکر جاہ کرتا ہوں

۴۴۲ دینوی کاموں کے گو ہیں قاعدے   قاعدوں کا قاعدہ کوئی نہیں

جو مشیت اُس کی ہے وہ قاعدہ   بحث کیجیے فائدہ کوئی نہیں

۴۴۳ جیسا موسم ہو مطابق اُسکے میں دیوانہ ہوں   مارچ میں بلبل ہوں جولائی میں ہیں پروانہ ہوں

حال میرا پوچھتے ہیں کیا یہ مستقبل طلب   کشتۂ ماضی ہوا ہوں صرف اک افسانہ ہوں

۴۴۴ اب اپنے دل کو بجز غم کے کوئی راہ نہیں   خدا کا شکر یہی ہے کہ غم گناہ نہیں

اب اپنے دل کی عقیدت پہ رحم آتا ہے   یہ دیکھتا ہوں کہ وہ آپ کی نگاہ نہیں

مرے سکوت پہ غصہ نہ کیجئے للہ   فغاں ہے جرم۔ خموشی تو کچھ گناہ نہیں

۴۴۵ دن گذرتے ہی چلے جاتے ہیں   لوگ مرتے ہی چلے جاتے ہیں

جانتے ہیں کہ یہ غفلت کے ہیں کام — پھر بھی کرتے ہی چلے جاتے ہیں

۴۴۶ چرخ سے کچھ امید تھی ہی نہیں — آرزو میں نے کوئی کی ہی نہیں
چاہتا تھا بہت سی باتوں کو — مگر افسوس اب وہ جی ہی نہیں
جرأت عرض حال کیا ہوتی — نظر لطف اُس نے کی ہی نہیں
اس مصیبت میں دل سے کیا کہتا — کوئی ایسی مثال تھی ہی نہیں
آپ کیا جانیں قدر یا اللہ — جب مصیبت کوئی پڑی ہی نہیں
شرک چھوڑا تو سب نے چھوڑ دیا — میری کوئی سوسائٹی ہی نہیں

۴۴۷ مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں — فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں
پوچھا اکبر ہے آدمی کیسا — ہنس کے بولے وہ آدمی ہی نہیں

۴۴۸ جلوۂ ساقی و مے جان لئے لیتے ہیں — شیخ جی ضبط کریں ہم تو پئے لیتے ہیں
دل میں یاد ان کی جو آتے ہوئے شرماتی ہے — درد اُٹھتا ہے کہ ہم آڑ کئے لیتے ہیں
دورِ تہذیب میں پریوں کا ہوا دور نقاب — ہم بھی اب چاک گریباں کو سئے لیتے ہیں
خودکشی منع۔ خوشی گم۔ یہ قیامت ہے مگر — جینا ہی کتنا ہے اب۔ خیر جئے لیتے ہیں
لذتِ وصل کو پروانے سے پوچھیں عشاق — وہ مزا کیا ہے جو بے جان دئے لیتے ہیں

۴۴۹ دیر میں عاشقوں پہ ظلم یہ ہے — بعد مرنے کے بھی جلاتے ہیں
جب تمھارا خیال آتا ہے — ساری دنیا کو بھول جاتے ہیں
مجھ کو کچھ پوچھنا ہے اکبر سے — یہ کبھی ہوش میں بھی آتے ہیں

۴۵۰ بزرگیوں کے مقابلے میں فلک کے برچھے تنے ہوئے ہیں
یہی سبب ہے جناب اکبر جو طفل ناداں بنے ہوئے ہیں

میرے اشعارِ رنگیں آپ کے سننے کے قابل ہیں — اسی گلزار کے ہیں پھول جو چننے کے قابل ہیں ۴۵۱

فلک کی گردش سے آج ہم کیا خراب و خستہ بڑے بڑے ہیں ۴۵۲
اُجڑ گئے ہیں مگر کریں کیا جہاں بسے تھے وہیں پڑے ہیں
نہ پائمالی سے ہے حفاظت نہ حس و حرکت کی ہم میں طاقت،
ہوئے ہیں سایہ اگر گرے ہیں بنے ہیں دیوار اگر کھڑے ہیں
حرم کی صف میں شریک ہو کر نماز پڑھنے کا شوق رخصت
بتانِ ترسا کی جلوہ گاہوں میں دست بستہ مگر کھڑے ہیں

چال دنیا کی تمھیں محسوس ہو دشوار ہے — یہ زمیں چلتی ہے تیزی سے مگر ہلتی نہیں ۴۵۳
دل کے جو دشمن ہیں انکے شوق میں رہتی ہے آنکھ — جان کا مالک جو ہے اس سے نظر ملتی نہیں

زندگی کہتی ہے دنیا سے تو اپنا دل لگا — موت کہتی ہے کہ ایسی دل لگی اچھی نہیں ۴۵۴
چاہتے ہو تم کسی کو چاہتا ہو وہ تمھیں — زندگی یہ ہے نہیں تو زندگی اچھی نہیں

اُس کی باتوں سے سمجھ رکھا ہے تم نے اسے خضر — اُسکے پاؤں کو تو دیکھو کہ کدھر جاتے ہیں ۴۵۵

اُٹھے تو بہت ہیں بہر مدائح بھی تو لیکن غور کرو — شیطاں کے حامی کتنے ہیں اللہ کے پیارے کتنے ہیں ۴۵۶

اُن کے دل میں جو کچھ آتا ہے وہ کہہ جاتے ہیں — ہم بھی سُن لیتے ہیں منہ دیکھ کے رہ جاتے ہیں ۴۵۷

کھانے پینے سے جو ہوتی زندگی مرتا ہی کون — سچ یہ ہے زندہ فقط اللہ کی مرضی سے ہوں ۴۵۸

خدا کی یاد میں دنیائے دوں سے منہ جو موڑے ہیں — وہی انسان اچھے ہیں مگر افسوس تھوڑے ہیں ۴۵۹

جہانِ ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں — [۵۱] — عقیدے عقل عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں ۴۶۰

گم ہیں نظر سے نورِ حقیقت کی ہستیاں — اندھیر ہیں حواس کی ظاہر پرستیاں ۴۶۱

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں — آدمی آدمی بناتے ہیں ۴۶۲

[۵۱] اس شعر پر ڈاکٹر اقبال صاحب نے انگریزی میں ایک آرٹیکل لکھا ہے اور فلاسفر ہیگل پر مصنف کو ترجیح دی ہے۔

	جستجو ہم کو آدمی کی ہے	وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں
۴۶۳	دہر نے نشترِ غم دل پہ مرے مارے ہیں	شعر رنگیں یہ نہیں خون کے فوارے ہیں
۴۶۴	فلسفی تجربہ کرتا تھا ہوا میں رخصت	مجھ سے وہ کہنے لگا آپ کدھر جاتے ہیں
	کہہ دیا میں نے ہوا تجربہ مجھ کو تو یہی	تجربہ ہو نہیں چکتا ہے کہ مر جاتے ہیں
۴۶۵	دل بیتاب نے کیا کیا دکھائے ہیں مجھے عالم	یہ پرزہ بھی قیامت ہے خدا کے کارخانے ہیں
۴۶۶	اوروں پہ جب ہے وعظ تو پہلی صدی میں ہیں	اپنی غرض ہے جب تو نئی جنتری میں ہیں
۴۶۷	ستم کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں	یہ اُن کی بدگمانی ہے کہ فریادی سمجھتے ہیں
۴۶۸	آج جو کفر سے مصروف ہیں سرگوشی میں	ہوش آئے گا اُنھیں موت کی بیہوشی میں
	عشق پاتا ہی نہیں موقع فریاد بجا	حسن کو دخل بہت کچھ ہے ستم پوشی میں
۴۶۹	ہمارے باغ میں پیڑ اب کہاں مالی لگاتے ہیں	اُنھوں نے بھی تو دیکھا یہ فقط ڈالی لگاتے ہیں
۴۷۰	ہمارے دم سے تابندہ بتوں کے بالے بُندے ہیں	ہمیں نے ان کو چمکایا ہمیں دوزخ کے کُندے ہیں
۴۷۱	بس اللہ اللہ ہی بہتر ہے اللہ کے وعدے سچے ہیں	نبیوں ہی کی باتیں پکی ہیں اس وقت کے لیڈر کچے ہیں
۴۷۲	مستی موسم میں کہتا ہے پپیہا پی کہاں	سب یہی کہتے مگر ہر اک نے ایسی پی کہاں
۴۷۳	فلک مشّاق ہے پیہم نئی دنیا بسانے میں	زمیں کو دیر کیا گذرے ہوؤں کو بھول جانے میں
۴۷۴	دوستوں کے ساتھ اگلی گرمجوشی اب کہاں	خون دل پینا پڑا ہے بادہ نوشی اب کہاں
	باغباں کانٹوں میں اُلجھانے کا رکھتا ہے خیال	صحن گلشن میں بہار گل فروشی اب کہاں
۴۷۵	فوج خدا نہیں تو دعا ہی کے ساتھ ہیں	ملتے نہیں نبی تو خدا ہی کے ساتھ ہیں
	تم بہتری کی فکر کرو بزم غیر میں	عزلت میں ہم تو اپنی تباہی کے ساتھ ہیں
	دل وہ ہے جو فریب نظر کو سمجھ سکے	آنکھیں وہ ہیں جو ژرف نگاہی کے ساتھ ہیں

ترکِ وفا کے ہو گئے عازم نیاز مند — حضرت ہنوز ناز و ادا ہی کے ساتھ ہیں
علمی ترقیوں سے زباں تو چمک گئی — لیکن عمل فریب و دغا ہی کے ساتھ ہیں

میکدے میں رہ کے ہم تقویٰ کو راضی کیا کریں — محتسب کی جب قضا آجائے قاضی کیا کریں ۴۷۶
حال ہی سے لے مدد یا حیّ یا قیوم پڑھ — ہسٹری تو ہو چکی ایام ماضی کیا کریں

زبانیں شاخِ طوبیٰ اور دل غفلت کے تھالے ہیں — بہت ہے اللہ اللہ کم مگر اللہ والے ہیں ۴۷۷

اُمید دل میں نہیں سانس ہی ہے سینے میں — مجھے تو اب کوئی لذت نہیں ہے جینے میں ۴۷۸

جوشِ خاطر کو سبیلِ حق نما ملتی نہیں — جان حاضر ہے مگر راہِ خدا ملتی نہیں ۴۷۹

کون پا سکتا ہے مکروہاتِ دنیا سے نجات — زندگی جبتک ہے جھگڑے زندگی کے ساتھ ہیں ۴۸۰

درد تو موجود ہے دل میں دوا ہو یا نہ ہو — بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو ۴۸۱
جھومتی ہے شاخِ گل کھلتے ہیں غنچے دمبدم — با اثر گلشن میں تحریکِ صبا ہو یا نہ ہو
وجد میں لاتے ہیں مجھ کو بلبلوں کے زمزمے — آپ کے نزدیک بامعنے صدا ہو یا نہ ہو
کر دیا ہے زندگی نے بزمِ ہستی میں شریک — اس کا کچھ مقصود کوئی مدعا ہو یا نہ ہو
کیوں سول سرجن کا آنا روکتا ہے ہمنشیں — اس میں ہے اک بات آنر کی شفا ہو یا نہ ہو
مولوی صاحب نہ چھوڑینگے خدا گو بخشدے — گھیر ہی لیں گے پولس والے سزا ہو یا نہ ہو
ممبری سے آپ پر تو وارنش ہو جائے گی — قوم کی حالت میں کچھ اس سے جلا ہو یا نہ ہو
معترض کیوں ہو اگر سمجھے تمھیں صیاد دل — ایسے گیسو ہوں تو شبہ دام کا ہو یا نہ ہو

غم میں ہوتا ہی ہے کچھ اُمیدِ فردا سے سکون — وائے بر حالش جسے امیدِ فردا بھی نہ ہو ۴۸۲
محترز فریاد سے ہوں زیرِ لب کرتا ہوں آہ — آپ کی مرضی یہ ہے شاید کہ اتنا بھی نہ ہو
رہ گئے وہ پوچھ ہی کر جس کو اُس کو ہے گلا — اُسکے دل سے پوچھئے جس کو کہ پوچھا بھی نہ ہو

۴۸۳ حال دل کس سے کہوں پوچھنے والا بھی تو ہو — کن امیدوں پہ جیوں کوئی سہارا بھی تو ہو
سب ہے کھنچنے کے نہیں عالمِ دل کے نقشے — کبھی گذرے ہوں اُدھر سے کبھی دیکھا بھی تو ہو
دل ہی باقی نہیں لے دوست مضامیں کیسے — آپ موتی کے طلبگار ہیں دریا بھی تو ہو
بندگی میں تو ہے وہ لطف جو شاہی میں نہیں — دل سے کوئی مگر اللہ کا بندا بھی تو ہو
کون کہتا ہے جنوں میں مجھے کامل اکبرؔ — مگر انصاف کہے گا کوئی اتنا بھی تو ہو

---

۴۸۴ اُڑا جاتا ہے رنگ عاشقی گلزارِ دنیا سے — عجب کیا بلبل تصویر بھی اک روز عنقا ہو

---

۴۸۵ اگر ملا نہیں ملنے کا آسرا ہے تو — ہیں اسی میں ہے تسکین دل خدا ہے تو
اجل کو دیکھ کے زیر فلک قرار آیا — مصیبتوں کی بالآخر اک انتہا ہے تو

---

۴۸۶ چھٹویں صدی کی بدیاں کب تک گنا کرو گے — تم بیسویں صدی کی نیکی کا جائزا لو
نیت کو اپنی دیکھو اعمال اپنے جانچو — دوزخ بنو نہ سب پر جنت کا راستا لو

---

۴۸۷ مسجد میں خدا خدا کئے جاؤ — مایوس نہ ہو دعا کئے جاؤ
ہرگز نہ قضا کرو نمازیں — مرتے مرتے ادا کئے جاؤ
سمجھو یہ وقت امتحاں ہے — ہوں بھی جو ستم وفا کئے جاؤ
کتنا ہی ہو وقت بے حجابی — تم پیروی حیا کئے جاؤ
اُمید شفا خدا سے رکھو — کیوں ترک کرو دوا کئے جاؤ

---

۴۸۸ یہ نہیں کہتا کہ ایسا ہی ہوا ور ایسا نہ ہو — یہ دُعا ہے ان حوادث کی مجھے پروا نہ ہو
دل امید و بیم فردا سے نہ ہو زیر و زبر — ہے یہی کافی حصولِ مدعا ہو یا نہ ہو

---

۴۸۹ ہرگز نہ سمجھ مستقل اس انقلاب کو — رکھ راہ راست بھونکنے دے ان کلاب کو

---

۴۹۰ ہوں میں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو — جان دینے کو ہوں موجود کوئی بات تو ہو

دل بھی حاضر سرِ تسلیم بھی خم کو موجود — کوئی مرکز ہو کوئی قبلۂ حاجات تو ہو
دل تو بے چین ہے اظہارِ ارادت کیلئے — کسی جانب سے کچھ اظہار کرامات تو ہو
دلکشا بادۂ صافی کا کسے ذوق نہیں — باطن افروز کوئی پیرِ خرابات تو ہو
گفتنی ہے دلِ پُر درد کا قصّہ لیکن — کس سے کہئے کوئی مستفسرِ حالات تو ہو
داستانِ غمِ دل کون کہے کون سنے — بزم میں موقع اظہارِ خیالات تو ہو
وعدے بھی یاد دلاتے ہیں گلے بھی ہیں بہت — وہ دکھائی بھی تو دیں ان سے ملاقات تو ہو
عدم نشو و نما سے نہ کہو تخم کو بد — وقت بالیدگیٔ نخل و نباتات تو ہو
کوئی واعظ نہیں فطرت سے بلاغت میں سوا — مگر انسان میں کچھ فہمِ اشارات تو ہو
نظر اللہ پہ رکھ ہو نہ پریشاں اکبرؔ — لے مصلّے کو ذرا صرفِ مناجات تو ہو

---

۴۹۱ قوتِ نشو و نما اس میں بھی ہے اُس میں بھی ہے — خواہ شاخِ پُر ثمر ہو خواہ شاخِ بید ہو

---

۴۹۲ وہ ملے اکبرؔ سے دنیا جس کے دل پر سرد ہو — عیش و آنر کا طلبگار اُس کا کیوں ہمدرد ہو
پھول جب کھلا گیا پھر کیا تکلف کی اُمنگ — ہم بغل اُس سے ہوا ہو یا چمن کی گرد ہو
جب بہار آئی تو ہر رنگ اپنی شوخی میں ہے مست — ہم گلِ رنگیں ہے دلکش سرخ ہو یا زرد ہو

---

۴۹۳ پانوں پھیلاؤ نہ اتنا بے خطر اے خودسرو — خوفِ حق کم ہے تو قانونِ فنا ہی سے ڈرو
قابلِ دریافت رازِ ہستی پروانہ ہے — کیوں اسے یہ حکمِ فطرت ہے جلو تڑپو مرو
خودکشی کی ہم تمہیں دیتے نہیں اکبرؔ صلاح — لیکن اپنی زندگی دنیا پہ ظاہر کیوں کرو

میں تو اُٹھتا ہوں توکّلتُ علی اللہ کہکر — نہیں ہوتا جو کوئی میرا مددگار نہ ہو
ذلت و رنج کا خوگر مجھے کر دے اے حرص — یا ضرورت سے زیادہ کی طلبگار نہ ہو

---

۴۹۴ ایسی بزموں سے جو پھل پانے کی رکھتا ہے اُمید — کیا شجر سمجھا ہے اُس نے برگ کے انبار کو

۴۹۵ ترکیب دعا کے لئے پیروں کے ہو پیرو — جب وقت دعا ہو تو خدا ہی کو پکارو
محفوظ رہو شرک سے ہادی کو بھی مانو — میرا تو یہی قول ہے سن لو اسے یارو

۴۹۶ یہ چاہتا ہوں طبیعت کو انتشار نہ ہو — کسی پہ بار نہ ہوں کوئی مجھ پہ بار نہ ہو

۴۹۷ یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو — کہتا ہے اب یہ چرخ کہ کھاؤ پڑے رہو
اے شیخ ہم ہیں خوش جو رہو تم ہمارے پاس — مشکل ہے یہ مگر کہ کہیں بے لڑے رہو
ممتاز راستی سے ہوئے ہیں چمن میں سرو — یہ بھی مگر ہے حکم کہ یونہی کھڑے رہو

۴۹۸ بے مثل بلیغ اس کو سمجھو — فطرت کی زبان جس کو سمجھو

۴۹۹ با اثر قوت عمل کی تنو میں ہو یا دنش میں ہو — سب سے پہلی شرط یہ ہے اتفاق آپس میں ہو
اُٹھ جاؤں سامنے سے جو کچھ شک ہو آپ کو — آئینہ اور حسن مبارک ہو آپ کو

۵۰۰ بار دل پاتا ہوں اپنی ہستیٔ غمناک کو — حس لذت سے ہے یاس اب قوت ادراک کو
بے تمیزی حس کی ہے اور نقش محسوسات ہے — دیکھتا ہے کون حسن صفحۂ ادراک کو
طالب دنیا نسیم عشق سے بیگانہ ہے — نفس سے کیا واسطہ ایسی ہوائے پاک کو

۵۰۱ ہر لحظہ ہے جسکی یاد تمھیں ہے جس کا خیال اتنا دل کو — دیکھو ہی گے اے اکبر اک دن اس ماضی کے مستقبل کو
ذرّوں کو ملا کر ذرّوں سے صنّاعی کی عزت پاتے ہو تم — کس درجہ کا حق حاصل ہے انھیں جو دل سے ملاتے ہیں دل کو

۵۰۲ قاصد ملا جب اُن سے وہ کھیلتے تھے پولو — خط رکھ لیا یہ کہکر اچھا سلام بولو
روٹی ملے جو سُکھ سے کافی ہے اللہ اللہ — ظلمت کدہ ہے دنیا ہر شے کو کیوں ٹٹولو

۵۰۳ شوق تجلی ہے سوا تیز ہے کامل بھی تو ہو — دل کی تاثیر میں کیا شک ہے مگر دل بھی تو ہو
ناز دنیا کا اُٹھانے کی ضرورت تسلیم — طبع نازک کو کروں کیا متحمل بھی تو ہو

۵۰۴ ہسٹری کی کیا ضرورت دین کی تعلیم کو — انجم و شمس و قمر کافی تھے ابراہیم کو

انتظام و قبضۂ دنیا نہیں ہے جب سپرد گوش دل پھر کیوں سنے غوغائے ہفت اقلیم کو
جسنے چھوڑا شوق جاہ و مال میں ذکر خدا وہ حقیقت میں اُٹھا شیطان کی تعظیم کو
رشک وہ ہے اتحاد ذرہ ہائے گرد باد ایک ساتھ اُٹھے ہوائے دہر کی تعظیم کو

مجلس ہنداں میں دیکھو عزت تعلیم کو پر وہ اُٹھا چاہتا ہے علم کی تعظیم کو ۵۰۵

چھاپے کی تقویت پر لیڈر بنو نہ اکبرؔ اپنی بساط دیکھو اپنا مقام دیکھو ۵۰۶
اُن کا مرا تعلق ہے اس سے صاف ظاہر اُن کا اشارہ دیکھو میرا اسلام دیکھو

قاعدوں میں حسن معنی گُم کرو شعر میں کہتا ہوں سمجھے تم کرو ۵۰۷

حدیث و فقہ پڑھکر شیخ بننا خوب ہے لیکن زمین و آسمان کو دیکھکر پہلے مسلماں ہو ۵۰۸

ساتھی ملے جب ایسے نازک خیالیاں کیا سینا ہے جب گزی کا سوئی مہین کیوں ہو ۵۰۹

یوں جلد نہ رخصت ہو جو گُل باغ سے چُن لو انصاف یہ کہتا ہے کہ بلبل کی بھی سُن لو ۵۱۰

دنیا میں مصیبت جانا ہے ہر اک نے اجل کے آنے کو ہمنے تو تماشا سمجھا ہے اس بھیڑ میں گم ہو جانے کو ۵۱۱

تم ملو یا نہ ملو مجھ سے منو یا نہ منو ساتھ رہنا ہے اسی ملک میں لے ہم وطنو ۵۱۲
اہل مغرب سے بھی کہتا ہوں مبارک ہو یہ قد آسماں تنگ ہو تم پر مگر اتنا نہ تنو

جہاں کی بات ہو اکبرؔ اُسے جا کر وہیں دیکھو عوض اخبار کے تم صفحۂ روئے زمیں دیکھو ۵۱۳

کسی کو بھی کسی سے کچھ نہیں اس باب میں جھگڑا کرو تم دھیان پر میشر کا دل کو اُسکا درشن ہو ۵۱۴
مگر مشکل تو یہ ہے نام سب لیتے ہیں مذہب کا غرض لیکن یہ ہوتی ہے جتھا ہو اور بھوجن ہو

نور عبرت سے منور ہیں دل و چشم و دماغ آپ تاریک نہ سمجھیں مرے ویرانے کو ۵۱۵

دل پہ مشکل کر دیا دنیا نے اب تمکین کو سہل کر مجھ پر الٰہی اپنے سچے دین کو ۵۱۶

دل وہ اچھا ہو جو محوِ چشم یار شعر وہ اچھا کہ جس پر صاد ہو ۵۱۷

۵۱۸ جو اصلِ کارِ دیں ہے وہ فقط وحدت فقط اک ہو   مذاہب کو بہت جانچا بس اپنے منھ میاں مٹھو
جو سچی بات تھی کہہ دی وہ میں نے دو ہی مصرعوں میں   پڑھیں اب اپنی تصنیفوں کو لاکر بیرو دستو

خوب یہ بات کہی اُس نے پکارو اُس کو   بد دعا سانپ کو کیا دیتے ہو مارو اُس کو

۵۱۹ جس صحبت کے تم اہل نہ ہو   اُس صحبت میں شرکت نہ کرو

۵۲۰ خوب لڑوایا بہم دل کھول کر   مار ڈالا راڈیوں نے قوم کو

۵۲۱ نہیں مزا صرف اسی میں اکبر کہ قافیوں کی روا روی ہو   غزل اگر ہو تو عاشقانہ جو مثنوی ہو تو معنوی ہو
کہو یہ اکبر سے بیٹھ چپکا حرم کے اندر خدا خدا کر   ہر ایک کا یہ مشن نہیں ہے کہ دیرِ دنیا میں غزنوی ہو

۵۲۲ شرک چاہے بہائے میرا لہو   میں نہ چھوڑوں گا لاشریک لہٗ

۵۲۳ خو تحمل کی بہت خوب ہے لیکن انساں   ظلم کو ڈھونڈھ کے اُس کا متحمل کیوں ہو

۵۲۴ تابع ہوں ہادیانِ طریقِ صواب کا   لیکن طلب کروں گا خدا کی پناہ کو
اس کے خلاف آپ کی بحثیں ہیں نادرست   فرمائیے چراغ کو دیکھوں کہ راہ کو

۵۲۵ نام خدا زباں پہ گو ہے دعا کے ساتھ   ممکن نہیں خیال خدا ما سوا کے ساتھ
اس دیرِ بے ثبات میں اللہ کو نہ بھول   بدلا نہ کر بتوں کی نگاہ و ادا کے ساتھ
اظہارِ وجد کے لئے محفل کی کیا تلاش   بن خاکِ راہ ناچ لیا کر ہوا کے ساتھ

۵۲۶ وہ بت کرم کے ساتھ ہو یا ہو جفا کے ساتھ   ہم ہیں خدا کے ساتھ رہیں گے خدا کے ساتھ

۵۲۷ سن لیجئے سبق چند الفاظ۔ کہنا مجھ کو نہیں ہے اب کچھ   ہر اک کو ہے صبر کی ضرورت کہ کوئی نہیں جو پائے سب کچھ

۵۲۸ عیش دنیا کا رہے شوق سے اغیار کے ساتھ   دل مرا شاد ہے سینے میں غمِ یار کے ساتھ
کام نکلے گا نہ اے دوست کتب خانوں سے   رہئے کچھ روز کسی محرمِ اسرار کے ساتھ
مادہ ہی نہیں الفت کا بتِ بے دیں میں   مجھ کو کچھ رشک نہیں وہ رہے اغیار کے ساتھ

بڑھاتا جاتا ہے ضعف اپنا زور آہستہ آہستہ — لئے جاتی ہے پیری سوئے گور آہستہ آہستہ ۵۲۹
تمھاری احتیاطیں مطمئن کرتی نہیں مجھکو — سمجھتا ہوں قدم رکھتا ہے چور آہستہ آہستہ

سینہ پُر غم ہے دل کے چور کے ساتھ — ہنس رہا ہوں مگر فتور کے ساتھ ۵۳۰
مرا احسان کیوں نہ ہو مغموم — شکر ادا کرتے ہیں غرور کے ساتھ
خضر تو رہبری کو تھے موجود — راہ چلدی مگر حضور کے ساتھ
سونے جاتے ہیں قبر میں اکبر — اب اُٹھیں گے صدائے صور کے ساتھ

کیا جلوے ہیں اس کے پیش نظر سبحان اللہ سبحان اللہ — یہ ارض و سماں یہ شمس و قمر سبحان اللہ سبحان اللہ ۵۳۱
ہر آن کا ہے اک رنگ نیا ہر رنگ کی ہے اک شان جدا — وحدت کا شجر کثرت کے ثمر سبحان اللہ سبحان اللہ
یہ زمزمہ ہائے مرغ چمن یہ نشو و نمائے سرو و سمن — یہ سبزہ و گل یہ سنبل تر سبحان اللہ سبحان اللہ
یہ ابر رواں یہ برق تپاں یہ پرتو انجم نور فشاں — یہ پردۂ شب یہ حسن سحر سبحان اللہ سبحان اللہ
اس درجہ ترقی خاک کو دی ہوش میں آ کر شوق بنی — اس شوق کا خود منظور نظر سبحان اللہ سبحان اللہ
بس جائے گی اس میں سانس تری ہو جائے گا تو پاکیزہ نفس — دن رات کہا کر اے اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ

اکبر اس فطرتِ خاموش کو بے حس نہ سمجھ — ہاں بصیرت سے تہی دیدۂ نرگس نہ سمجھ ۵۳۲
راحتِ زیست کے سامان ہیں دھوکے میں نہ آ — امتحاں گاہ کو تو عیش کی مجلس نہ سمجھ
جاہ و منصب میں نظر عاقبتِ کار پہ رکھ — خاتمہ جس کا ہو افسوس اُسے آفس نہ سمجھ
صبر کے ساتھ مصیبت میں جو ہو حُسن عمل — بہر انجام یہ امرت ہے اِسے بس نہ سمجھ
دل کا دنیا کی اُمیدوں سے بہلنا ہے بُرا — زندگِی تلخ کریں گی انھیں مونس نہ سمجھ

خدا سے غافل اور اس پر یہ نعمت دنیا — اسی کی شان ہے احسان ناسپاس کے ساتھ ۵۳۳
کہاں جہنم و جنت کہاں عذاب و ثواب — دل اب تو رہتے ہیں کالج کے فیل پاس کے ساتھ

۵۳۴ قدم بہت نہ بڑھا غیر کے قیاس کے ساتھ — وہ خوب ہے جو رہے اپنے ہی حواس کے ساتھ

۵۳۵ انسان نے انسان سے کی جنگ ہمیشہ — دنیا کے نظر آئے یہی رنگ ہمیشہ

۵۳۶ دنیا میں لطف زیست ہے طول امل کے ساتھ — پیری میں اب کہاں وہ خیال اجل کے ساتھ

۵۳۷ کوئی عرب کے ساتھ ہو یا ہو عجم کے ساتھ — کچھ بھی نہیں ہے تیغ نہ ہو جب قلم کے ساتھ

۵۳۸ جو یائے راز حسن ازل سے کہے کوئی — سُن صوتِ سرمدی کو کلام مبیں کو دیکھ
ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ — معنی یہ ہیں کسی کو نہ دیکھ اور ہمیں کو دیکھ

۵۳۹ گو سانس چل رہی ہے خوں اب نہیں جہندہ — مشرق ہے پست مغرب مردہ بدست زندہ

۵۴۰ زور بازو نہیں تو کیا اسپیچ، — ہاتھ بھی دے خدا زبان کے ساتھ
کون جانے یہ قبر ہے کس کی — نام رہتا نہیں نشان کے ساتھ
آپ گنوائیں شہد و شیر و کباب — یاں نمک بھی نہیں ہے نان کے ساتھ
اس زمانے میں غیرتِ ملت — رہتی ہے جان کی امان کے ساتھ

۵۴۱ جو یہ سچ ہو کہ جو چاہوں وہی ہو — تو چاہوں گا وہی ہونا ہے جو کچھ
ہنساتے ہیں وہ کیوں غیروں کو مجھ پر — یہی رونا ہے اب رونا ہے جو کچھ

۵۴۲ کچھ پتا اللہ کی مرضی کا پا جائے گا تو — حالتِ موجودہ کا کیا اقتضا ہے اس کو دیکھ

۵۴۳ لاکھ نظریں میں دکھا دوں کہ جو ہیں جانب بت — ایک دل آپ دکھا دیں جو ہو اللہ کے ساتھ
تری تنخواہ بڑھی شکر ہے لیکن اے دوست — تیری تو کچھ نہ ترقی ہوئی تنخواہ کے ساتھ

۵۴۴ عاشق کی طبع لاکھوں ہی موجوں میں ہے رواں — الفاظ کر سکیں گے نہ اُن کا محاصرہ
اے عقل اعتراض سے کچھ فائدہ نہیں — کیوں کرتی ہے زبان سے دل کا مقابلہ

۵۴۵ ایں سخن مقبولِ اہلِ دل بود در آئینہ — بیخودی در سجدہ جا خواہد خودی در آئینہ

کیا ہے جسنے اس عالم کو پیدا اس کو کیا کہئے — خود خاموش ہے اور دل یہ کہتا ہے خدا کہئے ۵۴۶
اسی حیرت میں عمریں کٹ گئیں ارباب بینش کی — کسے اللہ کہئے اور کس کو ما سوا کہئے
سرافرازی ہو دشٹوں کی تو گردن کاٹئے ان کی — اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے
مری قرآن خوانی سے نہ ہو تم بدگماں حضرت — مجھے تفسیر بھی آتی ہے اپنا مدعا کہئے
یہ ان کا کورس کیا کم ہے کہ میں بھی کچھ کہوں ان سے — مری جانب سے بس کالج کے لڑکوں کو دعا کہئے
نئی ترکیب بے شیطاں کو سوجھی ہے اغوا کی — خدا کی حمد کیجئے ترک بس مجھ کو برا کہئے

اگر ہیں وہ تو سب کچھ ہے جو سب کچھ ہے تو جھگڑا ہے — انھی میں ان کی خبر لینا ہے کچھ ہے بھی کہ دھوکا ہے ۵۴۷
جو روز افزوں نہیں ترک تعلق آپ کا اکبر — تو پھر یہ شاعری کیا واہ وا کا اک تماشا ہے

معاذ اللہ دور چرخ کیا کیا رنگ لاتا ہے — جنھیں آتا تھا ہم پر رشک اب ان کو رحم آتا ہے ۵۴۸
نسیم صبح اور کلیاں تو دیکھیں اس گلستاں میں — ہم ایسے دل گرفتوں کو بھی یاں کوئی بناتا ہے

طبع پر عبرت کی بدلی ایک دن چھا جائے گی — شوخیٔ برق فنا ان کو بھی تڑپا جائے گی ۵۴۹
دل نئے ہیں اور تمنائیں ابھی کم عمر ہیں — رفتہ رفتہ نوجوانوں کو سمجھ آ جائے گی

شادی کی کیا خوشی ہے غم کا بھی رنج کیا ہے — وہ بھی تھی ایک بجلی اور یہ بھی اک ہوا ہے ۵۵۰
آنکھوں نے خوب دیکھا اور دل نے خوب سمجھا — کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ اللہ کے سوا ہے
معنی کا آئینہ ہے اکبر کا یہ لطیفہ — ہنسنا بھی اک مرض ہے رونا بھی اک دوا ہے

ایک پاتا ہے ایک کھوتا ہے — ایک ہنستا ہے ایک روتا ہے ۵۵۱
سارے اسباب ہیں اسی کے مطیع — جو خدا چاہتا ہے ہوتا ہے

دل کو جنبش نہیں چلتی ہیں زبانیں بے سود — بے عمل علم کی تکرار سے ہوتا کیا ہے ۵۵۲
جب قدم راہ طلب میں نہ بڑھے اے اکبر — بیٹھ کر پاؤں ہلانے کا نتیجا کیا ہے

میں نے تو اپنے دل کو روکا ہے — آپ کو بھی کسی نے ٹوکا ہے

۵۵۳ جو کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھ کو تم پر — ہنس کے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے
عام الزام ہے اکبر یہ کہ پیتا ہے کیوں — اس کی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

۵۵۴ خدائی تیری ہے ہم بھی ہیں اے خدا تیرے — مصیبتوں میں پکاریں کسے سوا تیرے

۵۵۵ گذری بہار پھول تماشا دکھا گئے — آنکھیں کھلی ہی رہ گئیں کیا آئے کیا گئے

۵۵۶ اکبر جگر افگار ہے رسوا بھی بہت ہے — عزت کے لئے عشق میں اتنا بھی بہت ہے
مطلوب نہیں زینت دُنیا کا نظارا — اب دیکھ بھی سکتا نہیں دیکھا بھی بہت ہے

۵۵۷ نشان ظلم مٹا دے مجھے مٹا کے فلک — خدا کے علم کو کیونکر مٹا سکے گا کوئی
وہ مستغیثوں کی سننے کو آئے تیغ بکف — بھلا زبان شکایت ہلا سکے گا کوئی

۵۵۸ یا دو باراں مدد کریں جس کی — وہی پودا یہاں پنپتا ہے
ہر طرف سے جو ٹوٹتی ہے آس — آدمی "ہر" کا نام جپتا ہے
گرمیٔ موسم شباب اُف اُف — یہ سمجھئے کہ جیٹھ تپتا ہے
فرقت دائمی "معاذ اللہ" — آدمی مدتوں تڑپتا ہے
لو نکلنا پڑا اسٹرک کے ساتھ — آج تو میرا گھر بھی نپتا ہے

۵۵۹ عبث اس زندگی پر غافلوں کا فخر کرنا ہے — یہ جینا کوئی جینا ہے کہ جس کے ساتھ مرنا ہے
جو مستقبل کے شائق ہیں اُنھیں انجمن مبارک ہو — ہمیں تو صرف اب گذرا زمانہ یاد کرنا ہے
گل پژمردہ سے غنچے کو ہمدردی نہیں ممکن — ابھی تو اس کو کھلنا ہے ابھی اس کو سنورنا ہے
مرا دل مجھ سے کہتا ہے مرے سینے میں اے اکبر — تعجب ہے کہ رہنا سہل ہے مشکل ٹھہرنا ہے
خدا جانے وہ کیا سمجھے کہ بگڑے اس قدر مجھ پر — کہا تھا میں نے اتنا ہی مجھے کچھ عرض کرنا ہے

فطرت میں کہاں وہ شکلیں ہیں جو وہم دکھا دیتا ہے کبھی — فطرت ہی کا جز و اک وہم بھی ہے دل یہ بھی سکھا دیتا ہے کبھی ۵۶۰

جہاں کے حادثوں پر اک اک رو تا ہی رہتا ہے — مگر جو اقتضا فطرت کا ہے ہوتا ہی رہتا ہے ۵۶۱

نہ کھول آنکھ کسی عکس بے بقا کے لئے — صفائے دل پہ نظر رکھ فقط خدا کے لئے ۵۶۲

رضا کی شرط یہی ہے کہ کچھ طلب نہ کرو — دعا سے ہاتھ اُٹھاتا ہوں میں خدا کے لئے

اے بُتو کیا میں بتاؤں مجھے کیا آتا ہے — بس تمھیں ہیچ سمجھنے میں مزا آتا ہے ۵۶۳

کانپ جاتا ہوں جو سنتا ہوں کسی سے زندہ باش — بعد اس غم کے مرا جینے سے ڈرنا دیکھئے ۵۶۴

رنج دینے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے حریف — حضرت اکبر کا اس پر کچھ نہ کرنا دیکھئے

شیخ جی کی نظر میں میں ہوں فقط — میری نظروں میں ساری دنیا ہے ۵۶۵

بس یہی وجہ ہے کہ اے اکبر — مجھ کو حیرت ہے ان کو غصا ہے

ایک جمتا ہے ایک پگھلتا ہے — کام دنیا کا یونہی چلتا ہے

دل تعلق بڑھا کے پچتایا — پانوٗں پھیلا کے ہاتھ ملتا ہے

غفلت کی ہنسی بھی خوب ہنسا اور رنج میں اکثر رویا بھی — دنیا کو بہت کچھ اے اکبر حاصل بھی کیا اور کھویا بھی ۵۶۶

حقیقت نیستی کی پیری میں ہم سمجھے تو کیا سمجھے — بڑا دھوکا دیا ظالم نے دنیا سے خدا سمجھے ۵۶۷

ہزار آرائشیں صدقے ہیں اس کی سادہ وضعی پر — نہیں محتاج "فیشن" علم نے جس کو سنوارا ہے ۵۶۸

کھلتی نہیں کوئی راہ عمل اور وقت گذرتا جاتا ہے — اُلجھی ہوئی ہے غفلت میں زباں اور دل ہے کہ مرتا جاتا ہے ۵۶۹

مایوسی نے محفوظ کیا اُمیدوں کی بیتابی سے — اب شک بھی تھمتے جاتے ہیں اور دل بھی ٹھہرتا جاتا ہے

خدا کا نام روشن ہے خدا کا نام پیارا ہے — دلوں کو اس سے قوت ہے زبانوں کو سہارا ہے ۵۷۰

خدا ہی ہے زمین و آسماں کا خالق و مالک — اسی کی قدرت و صنعت نے عالم کو سنوارا ہے

تماشا اس کی قدرت کا ہے بر و بحر میں ہر دم — ادھر موجیں ہوا کی ہیں ادھر پانی کا دھارا ہے

اسی کے حکم سے ہے رات دن کی یہ کمی بیشی | اسی کے حکم کا تابع فلک پر ہر ستارا ہے
اُسی کے حکم سے پھل اور غلّے کی ہے پیدائش | زمیں پر بدلیوں سے اُس نے پانی کو اُتارا ہے
اُسی کے انتظام و حکم سے موسم بدلتے ہیں | وہی ہے وقت پر جس نے ہواؤں کو ابھارا ہے
زمیں پر سبزہ و گل کی نمودیں کیسی پیاری ہیں | فلک پر چاند سورج کا بھی کیا دلکش نظارا ہے
کوئی ذرّہ نہیں عالم میں اُس کے علم سے باہر | جو مرضی اس کی ہے دخل اُس میں دے کس کو یارا ہے
وہی دنیا میں ہے اس زندگی و موت کا خالق | ہر اک کو اپنی مرضی سے جلایا اور مارا ہے
دو روزہ زندگی ہے جاہ و حشمت پر نہ ہو غافل | فریدوں ہے نہ کیخسرو سکندر ہے نہ دارا ہے
یہ جبتک سانس چلتی ہے سمجھتے ہو ہمیں ہم ہیں | اجل جب سر پہ آ پہونچی تو پھر کیا بس ہمارا ہے
کرو طاعت خدا کی بس وہی معبود برحق ہے | اُسی کی شان یکتائی جہاں میں آشکارا ہے
اگر اعمال اچھے ہیں تو پاؤ گے بڑے درجے | سمجھ لو امتحاں اس دار فانی میں تمھارا ہے
بزرگوں کا ادب اللہ کا ڈر شرم آنکھوں میں | انھیں اوصاف کی نسبت مذہب میں اشارا ہے

---

٥٧١ فقیروں ہی کی بجا ہے بہتر جو ہمت ہے کہیں جچتا ہے | ہمارے صوفی کا رنگ اچھا کہ وجد ہے اور برہم کھاتا ہے

---

٥٧٢ وہ اس کو محو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے | اس اونٹ کو خرِ عیسیٰ بنا کے چھوڑیں گے
کریں گے شوق سے مسلم غذا میں مے داخل | شراب کو بھی ہریسا بنا کے چھوڑیں گے
کہا یہ شیخ سے اکبر نے روک اپنی زباں | کہ تجھ کو بھی وہ مجھی سا بنا کے چھوڑیں گے

---

٥٧٣ فریبِ موجِ بحرِ ہستی سکھا ہی دیتا ہے خود پرستی | ہوا نے دم بھر جو کی لگاوٹ حباب بھی سر اٹھا کے ابھرے

---

٥٧٤ نظر وہ ہے جو دل پر نقش حسن مدعا کھینچے | نفس وہ ہے کہ جو سینے سے آہ دلکشا کھینچے
وہ جان اچھی جو مست وعدۂ دیدار فردا ہو | وہی دل خوب جو یہ انتظار جانفزا کھینچے
محبان الٰہی خلق سے نخوت نہیں کرتے | کھنچے بندوں سے کیوں اپنی طرف جس کو خدا کھینچے

نہ چھوڑا صفحۂ روئے زمیں تعمیرِ غفلت نے　　ہزاروں نقشِ عبرت گو فلک سے جا بجا کھینچے
حرم میں دم بخود بیٹھا تو اکبر نے کیا اچھا　　وہ کیوں بے سود بتخانے میں آہِ نارسا کھینچے

نگاہ اٹھتی ہے احساس ماسوا کے لئے　　کہاں ہے دل اسے روکے ذرا خدا کے لئے ۵۷۵
رواں ہو کارِ جہاں کیوں ہماری مرضی پر　　خدا ہمارے لئے ہے کہ ہم خدا کے لئے
عمل خدا کے لئے ہو تو اس کا کیا کہنا　　مگر ریا یہ بری صرف واہ واہ کے لئے

شبِ تاریک عزلت میں جو خوفِ حق سے روتا ہے　　وہ گویا اپنی زلفِ سعی میں موتی پروتا ہے ۵۷۶

متاعِ حسنِ یوسف ہے نہ وہ شوقِ زلیخا ہے　　ریا کی گرم بازاری زبردستی کا سودا ہے ۵۷۷

اپنے عیبوں کی نہ کچھ فکر نہ کچھ پروا ہے　　غلط الزام بس اوروں پہ لگا رکھا ہے ۵۷۸
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام　　یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

خزاں آتی ہی ہے اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہے　　مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے ۵۷۹
جگر کو زخم سے زخموں کو آہوں سے بچاتا ہوں　　مگر ہوتے ہی ہیں زخم اور انھیں چھلنا ہی پڑتا ہے
فنا کے رنگ سے دل خون ہوتا ہے مگر اکبر　　زباں کو واہ کرنے کے لئے ہلنا ہی پڑتا ہے

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے　　جب بسولا ہٹا تو رندا ہے ۵۸۰

خاصانِ حق کو حشر میں کیسی شکایتیں　　عالم ہی دوسرا ہے وہ دنیا نہیں رہی ۵۸۱
ایسے ہوئے ہیں محوِ تماشائے حسنِ دوست　　دشمن سے انتقام کی پروا نہیں رہی

طبیعت سے خیالاتِ غم افزا جا نہیں سکتے　　برا ہو حافظے کا داغِ دل چھپا نہیں سکتے ۵۸۲
فلک کیا اس چمن میں جوششِ دل کا مجھ سے طالب ہے　　کہ شاخیں ہل نہیں سکتیں عنادل گا نہیں سکتے

کس طرح کہتا کہ جو چاہوں وہ ہونا چاہئے　　کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا چاہنا کیا چاہئے ۵۸۳
کہہ دیا میں نے کہ ہوں اور یہ نہیں سمجھا کہ کیا　　اس خودی کا حشر کیا ہوتا ہے دیکھا چاہئے

۵۸۴ کیا اثر اُس پہ مرا ہو گا یہی رونا ہے — یہ تو ظاہر ہے مرے بعد بھی کچھ ہونا ہے

۵۸۵ نہ بھول اس پر کہ یہ اور وہ تجھے اچھا سمجھتا ہے — تو اپنے دل میں اپنے آپ کو کیسا سمجھتا ہے

۵۸۶ حرص دنیا سے نہیں ہر صاحب عزلت بری — خانقاہیں اور ہیں اور دل کا کونا اور ہے

۵۸۷ درستِ گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند — خوب کہنا اور ہے اور خوب ہونا اور ہے

۵۸۸ تکلم پرور ہنر تو باپ سے بیٹے تک آتا ہے — مگر انسان بننا یہ فرشتہ ہی سکھاتا ہے

۵۸۹ خدا ہی ہے نہیں اس کے سوا حاجت روا کوئی — خلاف اس کے جو ہو مشرک ہے میں ہوں تم ہو یا کوئی

۵۹۰ ہر وقت ہے جس پر غم طاری ہر روز جسے عاشورا ہے — سمجھا ہے وہی معنیِ عزا ایمان اسی کا پورا ہے

۵۹۱ گورفل اپنا کام کرتا ہے — شیر بھی موت ہی سے مرتا ہے

۵۹۲ بس یہی کام سب کو کرنا ہے — یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی — یہ فقط وقت کا گذرنا ہے
سب سے بدتر بتوں سے ہے امید — سب سے بہتر خدا سے ڈرنا ہے
گل سے پوچھو کس انتظار میں ہے — غنچے کو تو ابھی سنورنا ہے
نشہ جن کو چڑھا ہے نخوت کا — اُن کے چہروں کو بھی اُترنا ہے

۵۹۳ کمیٹی میں چندہ دیا کیجئے — ترقی کے ہجے کیا کیجئے

۵۹۴ یہ تو سچ ہے جی لگا کر چاہیئے پڑھنا نماز — یہ بھی سُن لو جی لگا کر سانس لینا چاہیئے
دیکھ مِن حَبْلِ الْوَرِیْد اور ہر نفس رکھ یاد حق — زندگی کو دستِ غفلت میں نہ دینا چاہیئے

۵۹۵ بس کدورت سے دل اس تیرہ دروں کا ہے بھرا — یہ تو بربادیِ اربابِ وغا چاہتی ہے
لگی لپٹی نہ لگا رکھتی تھی تلوار کی جنگ — توپ کیا چاہتی ہے صرف دغا چاہتی ہے

۵۹۶ جسم و جان و گروہ بندی ہیں — مبتلا یاں کا ذرہ ذرہ ہے

طب میں پرہیز شرع میں تقویٰ — "پالٹک" میں وہی تبرّا ہے
مدّعا سب کا جو نہ سمجھے ایک — غالباً عقل سے معرّا ہے

تقاضا اضطرابِ شوق کا بڑھتا ہی جاتا ہے — یہ پارہ شیشۂ دل میں مرے چڑھتا ہی جاتا ہے ۵۹۷

جو ہم کو برا کہتے ہیں معذور رہیں اکبر — حق یہ ہے کہ ہم بھی اُنھیں اچھا نہیں کہتے ۵۹۸
ہم حضرت عیسیٰ کا ادب کرتے ہیں بیحد — لیکن اُنھیں اللہ کا بیٹا نہیں کہتے

جس نے اس ضعف پہ بھی مجھ کو جلا رکھا ہے — میں نے بھی دل اسی قوت سے لگا رکھا ہے ۵۹۹

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے — صرف تعویذ اور گنڈا ہے ٦٠٠
کیا ہے باقی جناب قبلہ میں — کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے
سو وہ ڈنڈا بھی اب ہے ضبطِ پولس — ہے زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے

علم ابتدا کا ہے نہ خبر انتہا کی ہے — دورِ انقلاب کا ہے حکومت فنا کی ہے ٦٠١
جغرافیے سے حال گورمنٹ پوچھیے — ہم تو یہ جانتے ہیں خدائی خدا کی ہے
مجبور عاجزی پہ ہے منکر کی طبع بھی — خواہش کو کیا سمجھتے ہو صورت دعا کی ہے
جو منزلیں ہیں نفس کی سب ہیں فنا پذیر — حق پر قیام دل ہو یہ صورت بقا کی ہے

اسے جنگی بنائے گی اُسے ذوقِ نکادے گی — جدھر جائے گی یہ فطرت اُدھر اُس کو جھکا دے گی ٦٠٢

مذہب کبھی میں نے سیکھا پڑھا نہیں ہے — اتنا ہی جانتا ہوں بندہ خدا نہیں ہے ٦٠٣

شکستہ دل ہوں تو سے ہوں میں جگر بھی اب خون ہو چلا ہے — خدا کی جو مصلحت وہ بہتر اسی میں شاید مرا بھلا ہے ٦٠٤
کوئی ہے اچھا تو اپنے حق میں کوئی برا ہے تو اس کا منہ ہے — نہ اس کی نعمت کے مستحق تم نہ بد کی پر کوئی بلا ہے
نہیں ہے شیطان کے مقابل تو کیا ہے مدحِ ولی سے حاصل — کمر سے تلوار تو ہے غائب مگر چمک دار پر تلا ہے
نظر میں ہو ہادیِ طریقت قدم ہو سوئے طریقِ وحدت — یہی ہے دل میں یہی کہہ رہا ہوں یہی مرا قول برملا ہے

٦٠٥ فریبِ ہستی کا کھل گیا ہے نگاہ دنیا کو پا گئی ہے   عمل کی توفیق بھی خدا دے سمجھ تو کچھ مجھ کو آ گئی ہے
کہاں کے ارض و سما و کوکب کہاں کے ہم تم کہاں کے یہ سب   قدم کی اک موج ہے نہ مانا سو یہ بھی اک لہر آ گئی ہے

٦٠٦ زبان کھولی ہے محفل میں واہ وا کے لئے   کبھی تو بند کر آنکھوں کو بھی خدا کے لئے

٦٠٧ فلاسفی کے مکالموں میں کسی نے یہ خوب ہی کہا ہے   جو تندرستی ہو تیری اچھی تو سانس ہی میں بڑا مزا ہے

٦٠٨ شکرِ خالق کی ہمیشہ مجھ کو جا ملتی رہی   سانس لینے کے لئے کافی ہوا ملتی رہی
غم کے داغوں سے رہی ایذا مگر یہ بھی ہوا   مجھکو پیہم لذتِ یادِ خدا ملتی رہی

٦٠٩ رفتار اور سمت میں موج ہوا کی ہے   اے قصہ گوئے "بدر" ضرورت حرا کی ہے

٦١٠ سب ساز بے مغنّی یاں وجد آ رہا ہے   ہر وقت بج رہا ہے ہر ذرّہ گا رہا ہے

٦١١ ہو مجھ پہ بتوں کی چشمِ کرم دل کو طلب اصلا نہ رہی   مجھ کو بھی خدا نے غیرت دی ان کو جو مری پروا نہ رہی
دنیا کا تردد جبتک تھا جبتک کہ ہم اُس کے طالب تھے   پھیری جو نظر غم ہو گئے کم رغبت نہ رہی دنیا نہ رہی
سچ پوچھئے تو راحت ہی ملی دنیا سے جدا ہو جانے میں   تھوڑی سی اُداسی ہے بھی تو ہو آفت تو مگر برپا نہ رہی

٦١٢ میں یہ نہیں کہتا کہ دوا کچھ نہیں کرتی   کہتا ہوں کہ بے حکمِ خدا کچھ نہیں کرتی

٦١٣ اچھی وہ آرزو کہ جو دل کا ادب کرے   اچھا وہ دل جو درد کی لذت طلب کرے

٦١٤ خاک کے ساتھ کھیلتی ہے روح   میں کی مٹی خراب ہوتی ہے

٦١٥ دل میں خاک اُڑتی ہے خالی لہجہ و لب دیکھئے   مذہب اب رخصت ہے بس تاریخ مذہب دیکھئے

٦١٦ کیوں میں پوچھوں کہ جناب آپکا مذہب کیا ہے   دیکھتا ہی ہوں شب و روز کہ مطلب کیا ہے

٦١٧ صرف عود سے تو آتی نہیں عظمت دل میں   آنکھ کچھ دیکھتی ہے تب وہ ادب کرتی ہے

٦١٨ یہ عقل ہی ہے محب بھی عدو بھی ہوتی ہے   کہ مانتی بھی نہیں مضطرب بھی ہوتی ہے
وہی نگاہ جو رکھتی ہے مست رندوں کو   غضب یہ ہے کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہے

کچھ فرض نہیں آپ کا ہر چیز پہ قبضہ — دنیا میں بہت کچھ ہے تو کیا سب کے لئے ہے ٦١٩
گر آہ جو تیرہ ہو ترا مطلع امید — یہ شمع شب افروز اسی شب کے لئے ہے

دنیا کی طوالت بیجا ہے خلقت کا تو لمبا قصہ ہے — ہر شخص فقط یہ غور کرے اس گل میں مرا کیا حصہ ہے ٦٢٠

کریں کیا یہ تو ان حضرت کو مطلب سکھاتا ہے — کہیں کیا یہ مناسب وقت ہیں مذہب سکھاتا ہے ٦٢١
جہاں قول و عمل یکساں ہے اور ہے اک دلی طاقت — تو انکا پوچھنا کیا اُن کو ان کا رب سکھاتا ہے

ان کو تو ہیں نسبت سے کیا کرتے ہیں منسوب — تخصیص کواکب کو فلکات سے نہیں شب سے ٦٢٢

نہ ماضی اپنے پہ غالب ہے نہ مستقبل کا طالب ہے — اسی کو حال کہتے ہیں یہی دل کو مناسب ہے ٦٢٣

مطبع کی یاں مدد نہ کتابوں کا زور ہے — مے خانہ دل ہے اُس کی شرابوں کا زور ہے ٦٢٤

میرا تو ہر سخن اسی مطلب کے ساتھ ہے — کم ہیں خدا کے ساتھ خدا سب کے ساتھ ہے ٦٢٥

پولیس خفیہ پے انسداد جرم ہے ٹھیک — نہ چاہیے کہ وہ ہو انسداد گپ کے لئے ٦٢٦
کوئی نہ آیا مرے پاس ہر کو حبپ کے لئے — جو صورتیں نظر آئیں وہ صرف ہپ کے لئے

نگاہ ظاہر طریق عرفاں میں سوئے انکار کیوں نہ لپکے — کہاں سے لائے وہ چشم معنی کہ برق چمکے نظر نہ جھپکے ٦٢٧
ہیں طاقت ذہن غیر محدود جانتا تھا خبر نہیں تھی — کہ ہوش مجھکو ملا ہے تُل کے نظر بھی مجھکو ملی ہے نپ کے
تمھاری تعلیم کے مصالح جو چاہیں سائنس نہ یہ شوخی — مری نظر میں تو حسن تب ہے کہ چشم خوباں سے شرم ٹپکے
ہوا ہے خون آرزو کا اکثر یہ ہے بہار کلام اکبر — سخن کو رنگین کر دیا ہے دل و جگر نے تڑپ تڑپ کے
جو میرے دل کا ابھار دیکھا جو نگ اس کا بتوں کو بھایا — تو پوچھا یہ پھل کہاں سے پایا کہا یہ ہیں آہ سرکو جپ کے

انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُن کی — انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی ٦٢٨
فقط مرا ہاتھ چل رہا ہے انھیں کا مطلب نکل رہا ہے — انھیں کا مضموں انھیں کا کاغذ قلم انھیں کا دوات اُن کی

یہی خصائل یہی طبیعت رہی تو قسمت یہی رہے گی — زمانہ بدلے گا بھی تو پھر کیا ہماری حالت یہی رہے گی ٦٢٩

یہی سیہ کاریاں اگر ہیں تو نور صبح امید کیسا یہی ہے زلف بتاں کا سودا تو میری شامت یہی رہے گی
عمل حسب نیت نہیں ہیں اچھے تو ذکر عصیان غیر کیسا عدو کی قسمت بگڑ بھی جائے تو اپنی قسمت یہی رہے گی
ہزار سائنس رنگ لائے ہزار قانون ہم بنائیں خدا کی قدرت یہی رہے گی ہماری حیرت یہی رہے گی

۶۳۰ تاکید عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

۶۳۱ لحد کی تیرگی سے حق بجانب دل کی وحشت ہے یہی وہ شب ہے جس کی صبح بھی صبح قیامت ہے
مصیبت بہر مومن پرتو عرفان ہے اے اکبر ظہور داغ دل دیباچہ صبح سعادت ہے

۶۳۲ امنگیں ہیں مرے دل میں جنون عشق و وحشت کی پھر اس میں بحث کیا افتاد ہے اپنی طبیعت کی
ہوائے نفس نے محروم رکھا اوج عرفاں سے بتوں کے زیر پا دیکھی بلندی اپنی ہمت کی

۶۳۳ ٹھیک ہے مصرعہ کا مضمون قافیہ گو سخت ہے اہل دل نالاں ہوں جس سے وہ بڑا کمبخت ہے

۶۳۴ جو مضطرب ہے اُس کو اِدھر التفات ہے آخر خدا کے نام میں کوئی تو بات ہے

۶۳۵ دخل و اعظ صرف استحقاق جنت ہی میں ہے فیصلہ جینے کے حق کا دست فطرت ہی میں ہے
کینہ و پیکار میں بھی یوں تو ہے اک حظ نفس زیست کا اصلی مزا لیکن محبت ہی میں ہے

۶۳۶ کیا خبر تھی کہ گناہوں سے ہے عزت میری قابل دید ہے توبہ پہ ندامت میری
میں عیادت کا تقاضا نہیں کرتا اُن سے اتنا ہی کہتا ہوں اچھی نہیں حالت میری
قامت یار پہ حاوی جو ہوئی زلف دراز بل کی لیتی ہے کہ دیکھو یہ قیامت میری
کس کو امید ہے اس کی کہ یہ اچھا ہوگا کون اس وقت میں کرتا ہے عیادت میری

۶۳۷ دیدۂ تحقیق سے دنیا کی حالت دیکھئے نفس کی ہر لذت اور آخر نجاست دیکھئے
دولت و عزت سے بیگانہ نہیں حالت میری یہ مصیبت میری دولت صبر یہ عزت میری

۶۳۸ جمال معنی حجاب میں ہے جہان صورت کا سامنا ہے نگاہ جویائے امر حق کو یہاں مصیبت کا سامنا ہے

عداوت کی یہ زیادتی ہے کہ اس میں منظور ہے کمی کچھ — جحیم میں جو جگہ ملی ہے وہاں سے جنت کا سامنا ہے

نفس نابینا حریص و طالب لذات ہے — عقل کی خدمت فقط ترتیب محسوسات ہے ۶۳۹
ان مشاغل میں تو اے اکبر نہیں کچھ اوج دل — روح کی طاقت جو غالب ہے تو ہاں اک بات ہے

آئے وہ خنجر بکف میں ڈر کے مارے مر گیا — اُن کی ورزش رہ گئی میری شہادت رہ گئی ۶۴۰
باغباں خاموش گل پژمردہ اور گلشن اُداس — جب ہوا بدلی تو ساری زیب و زینت رہ گئی

حضرت کی معاشرت بہت اچھی ہے — مشہور ہیں انتظام راحت کے لئے ۶۴۱
اپنے مذہب میں کیوں بلاتے ہیں مجھے — جنت کے لئے کہ لطف صحبت کے لئے

اس عہد میں شاعر کے لئے قوت نہیں ہے — اس باغ میں طوطی کے لئے توت نہیں ہے ۶۴۲
نیچر میں جو انکو تو موجود ہی پایا — سائنس سے سنتے تھے کہیں بھوت نہیں ہے
لفظوں ہی کے چکر میں ہے اب فعلن فعلن — چرخا ہی چلا کرتا ہے اور سوت نہیں ہے
نیچر ہی کا مطبخ ہے بہت معتبر اکبر — تم دیکھتے ہو جل میں کوئی چھوت نہیں ہے

مرزا ہوں وہ یا خاں صاحب ہیں دونوں کی محبت ہمکو ہے — وہ نام کے ہیں یہ کام کے ہیں دونوں کی ضرورت ہمکو ہے ۶۴۳

مذہب کے واسطے نہ شرافت کے واسطے — ہے اب تو جنگ حکم و تجارت کے واسطے ۶۴۴
لے ہی گئے گھسیٹ کے مجھ کو "پریڈ" پہ — تیار ہو رہا تھا میں جنت کے واسطے

جوش جنوں میں بھی عمل ذہن چُست ہے — احساس میں ہے فرق تعقل درست ہے ۶۴۵

ہو رہا ہے ہر طرف قانون فطرت کا نفاذ — انقلاب عالم فانی خدا کے ہات ہے ۶۴۶
جو ہوا وہ کیوں ہوا اس کی تو توجیہیں بہت — چاہتا جو ہوں وہ کیونکر ہو یہ مشکل بات ہے
کام لیتا رہ امیدوں سے دعا کر صبر کر — امتحانی زندگانی موردِ آفات ہے

مایوس ہیں اس باغ عالم میں امیدیاری چھوٹ گئی — جس پیڑ کو سینچا سوکھ گیا جس شاخ کو باندھا ٹوٹ گئی ۶۴۷

٦٤٨	ہماری خاطر ہو جمع کیونکر کہ یاس رہ رہ کے ٹوٹتی ہے	الم کا اک سلسلہ ہے قائم امید بندھ بندھ کے ٹوٹتی ہے
	اگرچہ عزت کا بھی ہوں طالب مذاقِ رندی ہے مجھ پہ غالب	جو شیخ چھوڑیں تو چھوٹ جائیں شراب کب مجھ سے چھوٹتی ہے
	دمِ سحر جوشِ شوقِ دل سے ضرور ہے انبساطِ باطن	کلی بھی گل کی چٹک رہی ہے کرن بھی سورج کی پھوٹتی ہے
٦٤٩	تقلیلِ غذا میں ہو "پیپرمنٹ" یہی ہے	کر ضبط ہوس "سلف گورنمنٹ" یہی ہے
٦٥٠	یہ بات تو کھری ہے ہرگز نہیں ہے کھوٹی	عربی ہیں نظمِ ملت "بی اے" میں صرف روٹی
	لیکن جناب لیڈر سن کر یہ شعر بولے	بندھوائیں گے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی
	اس بات کو خدا ہی بس خوب جانتا ہے	کس کی نظر ہے غائر کس کی نظر ہے موٹی
٦٥١	مذاقِ بادہ کشی تھا خلافِ حکمِ خدا	بحمدہٖ کہ بہت کچھ جڑ اس کی ٹوٹ گئی
	عجیب نسخۂ عرفاں دیا تصوف نے	کہ نشہ تیز ہوا اور شراب چھوٹ گئی
٦٥٢	دریا میں تو صاحب سے اگن بوٹ میں ہارے	میدانِ الکشن میں گئے ووٹ میں ہارے
٦٥٣	تہذیب دم بخود ہے طمع کی گھسیٹ سے	حضرت بھی کام لینے لگے مار پیٹ سے
	ممنون تو میں ہوں ترا اے سایۂ شجر	سر پہ مگر عذاب ہے چڑیوں کی بیٹ سے
	عزت کی تو شناخت نہیں ہے مگر مجھے	لذت ضرور ملتی ہے کونسل کی سیٹ سے
٦٥٤	جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی	ملّا کی دوڑ مسجد اکبرؔ کی دوڑ بھٹی
٦٥٥	اصل اللہ سے لگاوٹ ہے	ورنہ مذہب میں سب بناوٹ ہے
٦٥٦	مجھے یہ انقلابِ دہر کب خطرے کا باعث ہے	مری طبعِ رواں اک ماہیِ بحرِ حوادث ہے
٦٥٧	میں کیا کہوں شکایت کل کیا تھی آج کیا ہے	جینا ہی رنج وہ ہے اس کا علاج کیا ہے
	قوت نہیں ہے جس میں کیوں چاہتا ہے زینت	جب تخت ہی نہیں ہے پھر فکرِ تاج کیا ہے
٦٥٨	مجھے حیات کی اب احتیاج ہی کیا ہے	مگر مروں نہ تو اس کا علاج ہی کیا ہے

سنا تھا کل کہ ترقی ظہور پائے گی کل ۔۔۔ مگر جو غور سے دیکھا تو آج ہی کیا ہے

مقابل ترے ہیچ سب ہیچ ہے ۔۔۔ مگر تو ہی خود ہیچ در ہیچ ہے ٦٥٩

مذہب کی پناہ آخر کو ملی اور کفر کی زد سے بچ نکلے ۔۔۔ ہر دم ہے یہی اب اپنی دعا اللہ کا ہونا سچ نکلے ٦٦٠

اس کی حرکت ہے کلید مغربی پر منحصر ۔۔۔ دل یہ سینے میں ہے یا پاکٹ کے اندر واچ ہے ٦٦١
نجد کے نغمے کہاں ان ٹھمریوں کے سامنے ۔۔۔ دیس کو جس نے بھلایا یہ وہی کھماج ہے
ہوم رولی بن گئے ہیں ہم بھی خوب ہی تنتا ہوں اب ۔۔۔ آئرش کوئی کوئی انگلش کوئی اسکاچ ہے

دنیا یونہی ناشادیوں میں شاد رہے گی ۔۔۔ برباد کئے جائے گی آباد رہے گی ٦٦٢
گلچیں کا ستم بھول بھی جاؤں کبھی شاید ۔۔۔ صیاد کی بیداد مگر یاد رہے گی
نالے ستم افزا ہیں تو روکوں گا زباں کو ۔۔۔ دل ہی میں نہاں اب مری فریاد رہے گی

اگرچہ مضمون زندگی میں الم کی تمہید بھی بڑی ہے ۔۔۔ خدا کے فضل و کرم سے لیکن مجھے تو امید بھی بڑی ہے ٦٦٣
طلب کی منزل میں رنج و راحت سے رہتا ہے اعتدال قائم ۔۔۔ بہت ہے رمضان کی جو سختی مسرت عید بھی بڑی ہے
منہ اپنا غفلت سے موڑ اکبر نماز ہرگز نہ چھوڑ اکبر ۔۔۔ بہت فوائد ہیں اس کے اندر اور اس کی تاکید بھی بڑی ہے

بتوں کی بات سے دل مائل فریاد ہوتا ہے ۔۔۔ مگر کہنا ہی پڑتا ہے بجا ارشاد ہوتا ہے ٦٦٤
مرے صیاد کی تعلیم کی ہے دھوم گلشن میں ۔۔۔ یہاں جو آج پھنستا ہے وہ کل صیاد ہوتا ہے

جب حکم ہی ہے کوشش بے سود کیجئے ۔۔۔ کوئے بتاں میں خوب اچھل کود کیجئے ٦٦٥

سینے میں دل آگاہ جو ہو کچھ غم نہ کرو ناشاد سہی ۔۔۔ بیدار تو ہے مشغول تو ہے نغمہ نہ سہی فریاد سہی ٦٦٦
ہر چند بگولا مضطر ہے اک جوش تو اس کے اندر ہے ۔۔۔ اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بے چین سہی برباد سہی
وہ خوش کہ کروں گا ذبح اسے یا قید قفس میں رکھوں گا ۔۔۔ میں خوش کہ یہ طالب تو ہے مرا صیاد سہی جلاد سہی

جمعیت خاطر ہو نہ سکی اسباب الم موجود رہے ۔۔۔ کرتے ہیں مگر ہم شکر خدا حاسد نہ رہے محسود رہے ٦٦٧

٦٦٨ کاردنیا سے ہماری دل کشی مفقود ہے — جدت اُس شے میں کہاں سے آئے جو محدود ہے

٦٦٩ رہا نہ خانۂ ہستی میں دل کو لطف کوئی — بس اب تو محو یہ حسرت ہی کے سرود میں ہے
نہ میں کسی پہ ہوں نازاں اب اور نہ مجھ پہ کوئی — کسی کی گود میں ہوں اور نہ کوئی گود میں ہے

٦٧٠ دل نواز دعق نادان کا ہر اک ارشاد ہے — دیدۂ صاحب نظر میں صوفیوں پر صاد ہے

٦٧١ عشق کو کیوں بے خودی مقصود ہے (جواب) حسن بے حد ہے خودی محدود ہے
منکشف ہو جائیں اسرار خودی — بے خودی کا بھی یہی مقصود ہے
شرم آدم ہے اطاعت نفس کی — وہ ملائک کا اگر مسجود ہے

٦٧٢ سنتا ہوں مجھے رخصتِ فریاد ملے گی — منظور تماشا ہی ہے یا داد ملے گی
ملجائے نظر ان کی۔ دُعا مانگ رہے تھے — معلوم نہیں تھا ستم ایجاد ملے گی

٦٧٣ ذرہ ذرہ اپنی حد بندی میں مست و شاد ہے — تفرقے کے جوش پر ہر سو مبارکباد ہے
حافظے کے فیض نے روکا ہے بابِ اتحاد — شکوہ انگیز اک نہ اک قصہ ہر اک کو یاد ہے
واعظِ توحید پر دیتے ہیں فتوائے جنوں — خود پرستی کا سبق ہے کافری اُستاد ہے

٦٧٤ میں تو ہمدرد ہوں بس اُن کی گرفتاری کا — قید ہستی سے جو مشتاق ہیں آزادی کے
ڈھونڈھنا چاہئے تھا اکبر بے کس کو وہاں — ایک ویرانہ بھی ہے متصل آبادی کے

٦٧٥ نیک ہو منزل تو اکبر راہِ بد کیوں مانگئے — دوست سے ملنے کو دشمن سے مدد کیوں مانگئے

٦٧٦ حرص دنیا ظلمت دل کی مؤید ہی رہی — پھر بھی یہ پیران نابالغ کی مرشد ہی رہی

٦٧٧ تو رہے جب تو یہ مشکل ہے تردد نہ رہے — یہ تو اُس وقت نہ رہ جائے کہ تو خود نہ رہے
چھاؤنی میں ہیں صاحب تو وہیں لیڈر بھی — یعنی کیوں ساتھ سلیمان کے ہُدہُد نہ رہے

٦٧٨ پہچان نم رگی کی ہے یہی دل خوف خدا کی زد میں رہے — اندیشہ بہت گستاخ ہوا در دہم ادب کی حد میں رہے

آ گیا ہوں تنگ سرجن سے طبیب اور بید سے　　دیکھئے کب ہو رہائی زندگی کی قید سے ۶۷۹

گو سب کو ہے تسلیم کہ معبود وہی ہے　　کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے ۶۸۰
آنکھوں میں اُتر آتے ہیں موہوم کے نقشے　　دل میں یہ سمائی ہے کہ موجود وہی ہے
اللہ ہی کی موج سے پنپے گا ترا دل　　سرچشمۂ فیض و کرم و جود وہی ہے

گذر کی جب نہ ہو صورت گذر جانا ہی بہتر ہے　　ہوئی جب زندگی دشوار مرجانا ہی بہتر ہے ۶۸۱
رہِ اصلاح میں گو تیز گامی خوب ہے لیکن　　قدم کو لغزشیں جب ہیں ٹھہر جانا ہی بہتر ہے
مواقع دیکھ کر اظہار مردی چاہئے اے دل　　ڈرائیں کھیل میں بچے تو ڈر جانا ہی بہتر ہے
بٹھایا ہے بتوں نے بزم میں جب اپنا ہی سکہ　　جو ہیں اللہ والے اُن کو اُٹھ جانا ہی بہتر ہے
بلاتا ہے مجھے بت خانے سے شیخ حرم اکبر　　نہ جانا گو کہ جائز ہے مگر جانا ہی بہتر ہے

رزق مایحتاج مل ہی جائے گا　　خواہشوں میں مختصر ہو جائیے ۶۸۲
فقر سے شیطاں ڈراتا ہے اگر　　حسبنا اللہ سے نڈر ہو جائیے

خیر خواہی کر کے سر ہو جائیے　　ورنہ مفقود الخبر ہو جائیے ۶۸۳

کیا پوچھتے ہو طوق غلامی کو - کدھر ہے　　اپنا ہی تعلق ہے یہ اور اپنا ہی گھر ہے ۶۸۴
پیدا ہے غلامی زن و فرزند کے دم سے　　پروا نہ ہو اُن کی تو پھر آزاد بشر ہے
یعنی وہ چلا چاہیں گے دنیا کے مطابق　　عزت نہ محلے میں گھٹے اس کا خطر ہے
تم دل کو لئے پھرتے ہو وہ نفس کے حامی　　رسموں سے غرض دین کی عزت کو ضرر ہے
ایسے بھی ہیں طینت ہی میں جنکی ہے غلامی　　پابندیِ دنیا کا رگِ دل میں اثر ہے
خالق پہ بھروسا ہو تو عزت نہیں گھٹتی　　افسوس کہ انسان بہت پست نظر ہے
محنت کا دیانت کا قناعت کا شجر ہو　　جس رنگ کا پھل آئے وہ عزت کا ثمر ہے

٦٨٥ تم سے اُستادوں میں میری شاعری بیکار ہے
ساتھ سارنگی کا بلبل کے لئے دشوار ہے

٦٨٦ جنھیں ہے شرک سے نفرت خدا کو ایک کہتے ہیں
یہ ان میں کیوں ابھی تک جنگ و تکرار باقی ہے

سبب اس کا تو ہے ظاہر خدا لب پر خودی دل میں
بتان سنگ ٹوٹے ہیں بت پندار باقی ہے

٦٨٧ ہمارا مشرقی دل نزع میں ہے وقت آخر ہے
نہیں مغرب کو غم۔ اُس کی نظر میں مرگ کافر ہے

غرور اتنا نہ کر قوت پر اپنی لے بت ترسا
ہمارے ہوش غائب ہیں مگر اللہ حاضر ہے

بہ دل حاضر ہوئی ہے قوم بزم عشق دنیا میں
بس اک میری طبیعت ہے کہ اب تک غیر حاضر ہے

٦٨٨ جو ہیں صائم اُنھیں طاعت دشوار کیا کم ہے
نہ ہوں صائم تو اُن پر معذرت کا بار کیا کم ہے

٦٨٩ رہتے ہیں اس خیال میں ہم اپنے گھر پڑے
کیوں لوگ چاہتے ہیں کہ ہم پر نظر پڑے

٦٩٠ مشتاق حق کے واسطے نعمت کا ڈھیر ہے
بس زندگی حجاب ہے مرنے کی دیر ہے

٦٩١ جب یہ نہ ہو اصلاح بشر دنیا میں پھر آخر کون کرے
غفلت کے سوا اس محفل میں مہمان کی خاطر کون کرے

اک علم تو ہے بت بننے کا اک علم ہے حق پر مٹنے کا
اس علم کی سب دیتے ہیں سند اس علم میں ماہر کون کرے

غوطے تو لگائے زمزم میں اور غرق ہیں حب دنیا میں
پانی نے بدن کو پاک کیا اب ان کو طاہر کون کرے

مذہب کی ہے دھوم اور ساتھ اس کے اعمال نہیں اخلاق نہیں
چپ چپ کی صدا ہے چار طرف اس راز کو ظاہر کون کرے

جب علم ہی عاشق دنیا ہو پھر کون بتائے راہ خدا
جب خضر اقامت پر ہوں فدا تائید مسافر کون کرے

سودا بھی ہے رنگ طبع بشر فطرت ہی میں ہیں اسباب جنوں
اکبر کو بھی ہوش آجائے تو پھر اس کام کو آخر کون کرے

٦٩٢ عشق کہتا ہے بیان حال کی پروا نہ کر
تیرے دل کی خود بخود اُن کو خبر ہو جائیگی

مجھ کو اک حیرت ہے اپنے شوق کی اُمید پر
کیا نگاہ قہر الفت کی نظر ہو جائے گی

میں نے پوچھا ہے تمھیں مجھ سے محبت یا نہیں
ہنس کے فرمایا نہیں اب تک مگر ہو جائے گی

میں شب فرقت میں تڑپوں اور وہ سوئیں چین سے
کس طرح مانوں محبت بے اثر ہو جائے گی

۶۹۳ قالب ہیں جان آئی تو کیا آئی سفر کرنے لگی ہر سانس مجھ کو موت سے نزدیک تر کرنے لگی

۶۹۴ عجب پیچیدگی ہے صورت و معنی کی دنیا میں جو نافع ہے وہ باطن ہے جو دلکش ہے وہ ظاہر ہے

خالی حرم کو شیخ ہی تنہا نہ کر گئے حیرت میں بُت بھی ہیں کہ برہمن کدھر گئے

سودائے مغربی سے ہیں سب کے حواس گم ایسی یہ تپ چڑھی ہے کہ چہرے اُتر گئے

آیا وطن میں پھر کے مگر اس کی کیا خوشی جن جن کو پوچھتا ہوں یہ سنتا ہوں مر گئے

۶۹۵ گم کی تھی میں نے راہ مصیبت یہی تھی سخت اس پر ہوا یہ قہر تم ایسے خضر ملے

کس سے میں پوچھتا گل و بلبل کی سرگذشت دو چار برگ خشک، تو دو چار پَر ملے

باتیں بھی مجھ سے کیں مری خاطر بھی کی بہت لیکن مجال کیا جو نظر سے نظر ملے

۶۹۶ ٹیمز کے ساحل پہ جا کر دیکھئے قسمت کی فال گومتی پر شیعہ و سنّی نے کیوں تکرار کی

سر سے سودائے حرم نکلے خدا سے دل ہو سرد دیر میں پھر کیا کمی ہے گرمیِ بازار کی

۶۹۷ تہذیبِ نو جسے تم کہتے ہو اس سے اکبر دنیا بگڑ رہی ہے یا سنور رہی ہے

نقشوں کو تم نہ جانچو خلقت سے مل کے دیکھو کیا ہو رہا ہے آخر کیسی گذر رہی ہے

دل میں خوشی بہت ہے یا رنج اور تردد کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

۶۹۸ زندگی بے لطف ہے دشوار ہے سانس لینا اب مجھے بیگار ہے

۶۹۹ اُمید ٹوٹی ہوئی ہے میری جو دل مرا تھا وہ مر چکا ہے جو زندگانی کو تلخ کر دے وہ وقت مجھ پر گذر چکا ہے

اگرچہ سینے میں سانس بھی ہے نہیں طبیعت میں جان باقی اجل کو ہے دیر اک نظر کی فلک تو کام اپنا کر چکا ہے

غریب خانے کی یہ اُداسی یہ نادرستی نہیں قدیمی چہل پہل بھی کبھی یہاں تھی کبھی یہ گھر بھی سنور چکا ہے

یہ سینہ جس میں ہیں داغ ہیں اب مسرتوں کا کبھی تھا مخزن وہ دل جو ارمان سے بھرا تھا خوشی سے اس میں ٹھہر چکا ہے

غریب اکبر کے گرد کیوں ہیں جنابِ واعظ سے کوئی کہہ دے اسے ڈراتے ہو موت سے کیا وہ زندگی ہی سے ڈر چکا ہے

۷۰۰ عشق ہی میں اُس کے حسنِ پاک کا اظہار ہے — اشتیاقِ دید کی تکمیل ہی دیدار ہے
ہر تعلق سے جدا کر کے تو اپنے دل کو دیکھ — دل وہ ہے جو بے ہمہ ہے نے یہ بھی خود دار ہے

۷۰۱ ہجرِ یار اس گل کے مجھ پر سانس لینا بار ہے — زندگی ظالم مگر اب تک گلے کا ہار ہے
داد دے رفتار کی سستی پہ کیا ہے معترض — آبلہ ہے پاؤں میں اور آبلے میں خار ہے
دعوتِ دیوانگی دیتا ہے نورِ آفتاب — یہ شعاع اے دل گریبانِ سحر کا تار ہے

۷۰۲ نفس تو کہتا ہی ہے ہر دم یہ کرنا چاہیئے — کیوں کوئی پوچھے کہ کیونکر جی کے مرنا چاہیئے
نفس کی خواہش کے آگے عقل کی سنتا ہے کون — میں کہوں کس سے کہ اس غفلت سے ڈرنا چاہیئے

۷۰۳ ہماں بہ کز حدیثِ دی و فردا بے خبر باشی — بہ ذوقِ لم یزل امروز سرتاپا نظر باشی
بکش دامانِ شب برخیز و شمعِ دل فروزاں کن — چرا افتادہ در بندِ گریبانِ سحر باشی

۷۰۴ تجھے اے اُمیدِ فردا دل و جاں سے پیار کرتے — مگر اپنی زندگی کا نہیں اعتبار کرتے
ہے بتوں کی خود نمائی مری غفلتوں سے قائم — میں اگر نظر نہ کرتا تو وہ کیوں سنگار کرتے
لیا ہم نے بوسۂ رخ تو نہ بدگماں ہو اے جاں — کوئی پھول دیکھ لیتے تو اُسے بھی پیار کرتے
ترے ہاتھوں کی یہ زینت تو ہے شاخِ گل سے افزوں — ہمیں دسترس جو ہوتا تو گلے کا ہار کرتے

۷۰۵ جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہے نمود بھی ہے سنگار بھی ہے — پھر اُس پہ دعویٰ حق پرستی و راستی یہ یاں اعتبار بھی ہے

۷۰۶ پھیلائیے نہ پاؤں کو زنجیر کے لئے — دنیا سے ہاتھ اُٹھائیے تکبیر کے لئے

۷۰۷ دل مرا اور خواہشیں ان کی یہ کیا اندھیر ہے — سحر ہے یا ظلم ہے یا کچھ سمجھ کا پھیر ہے
لوگ کہتے ہیں یہاں اکبر کبھی آباد تھا — شاید ایسا ہی ہو اب تو خاک کا اک ڈھیر ہے

۷۰۸ جانبر نہ ہو سکا گو فرقت کی شب سحر کی — تھوڑی نہیں تھی اکبر تکلیف رات بھر کی

۷۰۹ ہو اگر سینے میں ناسور ہوا جاتا ہے — غم سے دل خون تھا اب نور ہوا جاتا ہے

دیکھ ہی لو گے زمانے میں قیامت برپا — نالۂ خستہ دلاں صور ہوا جاتا ہے

چشمِ بتاں نے نفس کی خواہش ابھار دی — دنیا ہماری دشمنِ دیں نے سنوار دی ۷۱۰

لذت خدا کے نام میں کچھ کم نہ تھی مگر — پیش شکم زبان نے ہمت ہی ہار دی

بندوق کا نہیں ہے جو لیسنس غم نہیں — میں نے تو اس خیال ہی کو گولی مار دی

جس طرف دیکھو خیالِ تیزیِ رفتار ہے — منزلِ مقصود کیا ہو یہ سمجھ دشوار ہے ۷۱۱

قرار دل کو نہیں حسنِ انتشار تو ہے — وصالِ یار نہیں ہے خیالِ یار تو ہے ۷۱۲

اتنا جیئے کہ جاننے والے گذر گئے — پرساں رہا نہ کوئی تو چپ چاپ مر گئے ۷۱۳

تم دیکھتے ہو اکبر دنیا کا رخ کدھر ہے — یہ وقت الاماں ہے یہ وقت الحذر ہے ۷۱۴

حیرت سے دیکھتا ہوں ہر صاحبِ خرد کو — اس کی زباں کدھر ہے اور اس کا دل کدھر ہے ۷۱۵

کیا ہو رہا ہے دل میں اثر کچھ نہ پوچھئے — کس پہ پڑی ہے میری نظر کچھ نہ پوچھئے ۷۱۶

کیا کر رہی ہے کبر شکن قدرتِ خدا — ہے پوچھنے کی بات مگر کچھ نہ پوچھئے

جینے والوں ہی کے ہیں ہنگامے — خلق انھیں پہ نگاہ کرتی ہے ۷۱۷

مست دنیا میں ہیں یہ کیا جانیں — مرنے والوں پہ کیا گذرتی ہے

خدا کے گھر سے اب آنر کی جو خبر آئے — بتوں کے پانوں پہ ہم کو تو سر نظر آئے ۷۱۸

ہوا کیوں شوق آزادی کا جب زنجیر ایسی تھی — دل ایسا کیوں ملا ہم کو کہ جب تقدیر ایسی تھی ۷۱۹

خرد کی ناتوانی ہے نظر کی ناصبوری ہے — ہوا جو کچھ ضروری تھا جو کچھ ہوگا ضروری ہے ۷۲۰

حادثے اپنے طریقوں سے گذرتے ہی رہے — کیوں ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے ۷۲۱

صفحۂ ہستی پہ آخر کس قلم کی ہے کشش — نقش مٹتے ہی رہے لیکن ابھرتے ہی رہے

انتظار آخر اجل سے کر گیا یاں ہمکنار — چشم بد دور آپ اپنے گھر سنورتے ہی رہے

۲۲، کچھ دیکھتا نہیں میں دلِ زار کے لیے | جو کچھ یہ ہو رہا ہے سب اخبار کے لئے

۲۳، یادِ حق دل سے دور کر نہ سکے | مجھ سے یہ بت غرور کر نہ سکے
مجھ کو رنجِ شکستِ شیشۂ دل | اُن کو غصّہ کہ چور کر نہ سکے
مجھ کو تو بس میں کر لیا بیشک | حق کو راضی حضور کر نہ سکے

۲۴، دنیا سے قطع خوب اگر خوش نہ رکھ سکے | آنکھوں کو بند کر جو نظر خوش نہ رکھ سکے
دنیا کی لذتیں جو ملی تھیں وہ ہو چکیں | خوش کر لیا تھا دل کو مگر خوش نہ رکھ سکے
(نواب صاحب رامپور کا)

۲۵، جسم بے سر ہے اب ہماری قوم | خوار زار و خراب و ابتر ہے
ہنس کے کہنے لگے جناب مذاقؔ | بس یہ کہئے ہر ایک خودسر (سقراط) ہے

۲۶، جو مسرت تیری محتاجِ نگاہِ غیر ہے | اس مسرت میں نہ خوبی ہے نہ کوئی خیر ہے

۲۷، جس کے دل میں شانِ باری کا تصور گھر کرے | اُس کو کیا پروا کہ کوئی بُت مرا آزر کرے

۲۸، خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے | خدا کیا ہے خدا ہے اور کیا ہے
بڑھاتے کیوں ہو تم لفظوں کو آگے | بساطِ ذہن پر یہ جور کیا ہے

۲۹، اس باغ میں یہ نگاہ اکبر | دل کو بیحد اُبھارتی ہے
ہے کس کے فراق میں پپیہا | کوئل کس کو پکارتی ہے

۳۰، کہا صیاد نے بلبل سے کیا تو نے نہیں دیکھا | کہ تیرے آشیاں سے یہ قفس آراستہ تر ہے
کہا اُس نے اسے تسلیم کرتی ہے نظر میری | نشاطِ طبع کی کُھلک مگر بیکاریِ پر ہے

۳۱، دیر کے عیش میں تکلیف مع الخیر تو ہے | کعبہ میں کچھ نہ سہی خاتمہ بالخیر تو ہے

(۳۲، جو پوچھا دل نے اس جینے کا کیا مقصود آخر ہے | شکم بولا کہ اس کی بحث کیا خادم تو حاضر ہے
شکم کی پیٹھ ٹھونکی نفس امارہ نے خوش ہو کر | صدائے باطنی اُٹھی کہ یہ کمبخت کافر ہے

رشتۂ توحید سے لپٹا نہیں تارِ نظر — الجھنیں کیں خوب پیدا سبحہ و زنار نے ۳۳ء
چل گئی موسیٰ کی لاٹھی رہ گیا جادو کا کھیل — ساحروں کے سانپ کو مارا خدا کی مار نے
ریل کعبے تک اگر بن بھی گئی تو ناز کیا — عرش باری تک نہیں پائی رسائی تار نے
دیدنی تھا ہجر کی شب وہ ہجوم انتظار — اور دیکھا ہی نہیں کچھ دیدۂ بیدار نے
باپ ماں سے شیخ سے اللہ سے کیا اُن کو کام — ڈاکٹر جنوا گئے تعلیم دی سرکار نے

جب آنکھ کو کھلنے میں ہو جھپک جب مُنھ میں زباں جنبش سے ڈرے ۳۴ء
اس قید میں کیونکر جینا ہو اللہ ہی اپنا فضل کرے
کیا ناز ہو ایسی ساعت پر افسوس ہے ایسی حالت پر
یا جھوٹ کہے یا کچھ نہ کہے یا کفر کرے یا کچھ نہ کرے
قاتل کو بھروسا قوت کا اور ہم کو خدا کی رحمت کا
ہونا تھا جو کچھ وہ ہو ہی لیا وہ بھی نہ رُکا ہم بھی نہ ڈرے

دل کی بیتابی ہے ثابت آنکھ کے اظہار سے — بجلیاں پیدا ہوئیں ہیں آنسوؤں کے تار سے ۳۵ء
جب طبیعت خوش نہیں تو کیا کرے اچھا مکاں — دل بہل سکتا نہیں اپنا در و دیوار سے

چشم بینا تو نے پائی ہے تو یہ دنیائے دوں — اک نہ اک دن تیری نظروں سے اُتر ہی جائے گی ۳۶ء

کس قدر دلکش نگاہ ساقیِ مخمور ہے — صبر بھی بیتاب ہے تقویٰ بھی اب معذور ہے ۳۷ء
خانۂ ہستی کی ترکیبوں میں کیا دخلِ خرد — حکم ہے تقدیر کا تدبیر اک مزدور ہے
میں جسے سمجھا ہوں وہ نفس کی ہیں خواہشیں — میں حقیقت میں جو ہے مجھ سے نہایت دور ہے
امتحانوں سے ہوئی طے بحثِ جبر و اختیار — فیل جب ہو جائے مختاری میں تب مجبور ہے
آپ سے مل کر میں کیوں نقصان اٹھاؤں اے جناب — آپ کو جب صرف اپنا فائدہ منظور ہے

ڈارون صاحب یہ اچھا مسئلہ سمجھا گئے — دعوئ مخدومیت میں مست ہر لنگور ہے

۷۳۸ تدبیر بشر خوب الٹ پھیر کرے گی — رفتار فنا سب کو مگر زیر کرے گی

۷۳۹ زندگی سے میرا بھائی سیر ہے — پھر بھی خوراک اس کی ڈھائی سیر ہے

۷۴۰ حق پرستی کا نشاں اب قبر ہے یا صبر ہے — اور جو کچھ ہے عقیدوں پر فقط اک جبر ہے

۷۴۱ اب شیخ ہند برہمنوں کے گلے لگے — تسبیح بن کے آئے تھے زنار ہو گئے
اس منزل فنا میں جو رکھی بنا تو کیا — دیوار اٹھا کے نقش بہ دیوار ہو گئے

۷۴۲ نہ چھوڑ دل کو کسی دل شکن اثر کے لئے — ہے مبتدا یہ خبر دوسری خبر کے لئے

۷۴۳ جنون عشق سے انسان کی طینت سنورتی ہے — یہی مستی وہ ہے جو عقل کو ہشیار کرتی ہے
یہ سچ ہے بے خبر ہے نصف دنیا نصف دنیا سے — کہ یہ ماتم میں ہے مصروف اور وہ چین کرتی ہے
بیاں اپنے اثر میں حس کی قوت لا نہیں سکتا — زبانیں کہہ نہیں سکتیں دلوں پر جو گذرتی ہے
وہ ایذائیں مجھے مایوسیوں نے دی ہیں اے اکبر — کہ امید اب قدم رکھتے ہوئے بھی دل میں ڈرتی ہے
سخن سنجی کا کیا کہنا مگر یہ یاد رکھ اکبر — جو سچی بات ہوتی ہے وہی دل میں اترتی ہے

۷۴۴ نہ سہی حسن عمل خوبی گفتار سہی — ہے تو اکبر میں بھی اک بات گنہگار سہی
دل جو تسبیح میں مصروف ہو حاصل ہے مراد — قشقہ بالائے جبیں دوش پہ زنار سہی

۷۴۵ خالق ہی سے ملی ہے فطرت کی جو لڑی ہے — بینا وہی ہے جس کی اس پر نظر پڑی ہے

۷۴۶ ذرہ ہائے خاک کس ترکیب سے جکڑے گئے — جینے مرنے کے تماشے کے لئے پکڑے گئے
بے اطاعت ناتواں کا کام چل سکتا نہیں — جھک گئے تو رہ گئے قائم اگر اکڑے گئے

۷۴۷ ہم اس زمانے میں رہتے ہیں اپنے گھر میں پڑے — ہوا ہی بدلی ہوئی ہے فلک سے کون لڑے
خدا ہی ہم کو اٹھائے گا جب تو اٹھیں گے — ابھی تو چپ ہیں کوئی لاکھ اعتراض جڑے

اگر اُٹھے تو علم اپنا گاڑ لیں گے کہیں — جو اُٹھ گئے تو ہے قصہ ہی ختم خود ہی گرٹے

عرفاں ضو فگن ہے شریعت کی آڑ سے — آتش فشاں زمین دبی ہے پہاڑ سے ۷۴۸

خدا کی مار کا کرتا نہیں میں کچھ مذکور — طبیعت اور ہی پہلو پہ جا کے لڑتی ہے ۷۴۹
نہ رہ سکے گی لطافت جو زن ہے بے پردہ — سبب یہ ہے کہ نگاہوں کی مار پڑتی ہے

عقل کو فردا و دی کے غم میں ساز و سوز ہے — عشق ہی اچھا کہ مستِ جلوۂ امروز ہے ۷۵۰
پھیر ہی لی ہے جمالِ "لم یزل" سے اُس نے آنکھ — ورنہ ہر مدِ نظر انساں کو عشق آموز ہے
زیست میں ہر دم ہے محتاجِ فنا ہر ذی حیات — زندہ دل وہ ہے جسے ہر سانس عجز آموز ہے

بدلی ہوئی رُت محسوس ہوئی بھونرے کی ابھی آواز سنی — فطرت کی بسنتی یہ ٹھمری بیساختہ و بے ساز سنی ۷۵۱

دل نہ مایوسی پہ مائل ہے نہ محوِ ناز ہے — منزلِ ہستی میں ہر انجام اک آغاز ہے ۷۵۲

حرج کیا ہم بھی جو چشمِ سرمگیں پر بس لئے — یہ بلائیں اس تماشا گاہ میں تھیں کس لئے ۷۵۳
سجدۂ دیر و حرم سے معرفت کس کو نصیب — سنگِ در آیا نظر خلقت نے ماتھے گھس لئے

ڈیڑھ سو محراب مسجد میں ذرا دشوار ہیں — سایۂ ہوٹل میں بسئے یا فقط دس لیجئے ۷۵۴
حضرتِ اکبر سے کہدو قافلہ تیار ہے — اک رزولیوشن کا ٹٹو آپ بھی کس لیجئے

اب کیا میں طلبِ دنیا کی کروں کیوں زحمت اُٹھاؤں اس کے لئے ۷۵۵
دل کہتا ہے اور سچ کہتا ہے کے دن کے لئے اور کس کے لئے
ہو تم کو مبارک شوقِ نمود افسردہ پڑا رہنے دو مجھے
کافی ہے یہاں یہ داغِ جگر تم شمع بنو مجلس کے لئے
یہ گوش و زبان و چشمِ چمن غوغائے جہاں سے فارغ ہیں
کرتا ہوں دعائیں گل کے لئے سوسن کے لئے نرگس کے لئے

۷۵۶ رنج کا ہے امتحاں اور زندگی کا کورس ہے — ہے مبارک وہ سمجھ قرآن جس کا سورس ہے

۷۵۷ کیا وہ درست ہو مری نظموں کے فورس سے — فرصت کہاں ہے قوم کو کالج کے کورس سے

۷۵۸ استخوانِ مغربی کا شکر کرنا ہے بجا — باہمی عف عف یہ لیکن قابلِ افسوس ہے
بسٹ ہی تو رہ گیا تیرا ذرا آئینہ دیکھ — شاہدِ مغرب سے کیا فکرِ کنار و بوس ہے

۷۵۹ بنگلۂ جاناں سوا دو کوس ہے — چل نہیں سکتے بڑا افسوس ہے

۷۶۰ فسادِ نیت میں جب نہیں ہے تو پھر مجھے خطرہ کیوں کسی سے — بہت مکلف ہیں یہ اشیا سے کہ اس سے بچیے اور اس سے بچیے
برس رہی ہے جو چیز ہم پر خیال اس کا نہ آئے کیونکر — شعور ہو کس طرح معطل کہاں یہ ممکن کہ حس سے بچیے
وبا کا زمانے سے بدگماں ہیں خبر نہیں کیا اثر کہاں ہیں — سمجھ میں آتا نہیں کچھ اکبر کہ کس سے اب ملیے کس سے بچیے

۷۶۱ شامت آئی ہے یہ مسلّم ہے — بحث اتنی ہی رہ گئی کس کی
میری جانب اشارہ غالب ہے — یعنی اکثر یہ کہتے ہیں اس کی
خیر جو کچھ خدا کی مرضی ہو — کھل ہی جائے گا آئی ہے جس کی
اس قدر تو مجھے بھی کھٹکا ہے — بڑھ گئی ہے مری بہت دھسکی

۷۶۲ اکبر کو کیا ابھاروں مایوس ہی نہیں ہے — ایسا مٹا کہ مٹنا محسوس ہی نہیں ہے

۷۶۳ ارتقائے نے کی برکت دیکھیے — تاجرابِ اہلِ قلم ہیں بانس کے

۷۶۴ عقل نے اچھی کہی کل لالہ مجلس رائے سے — جھک کے چلنا چاہیے ہم سب کو وائسرائے سے
شعر کیسا ہی ہو لیکن قافیے اس کے ہیں خوب — کون ایسا ہے کہ جو ہو مختلف اس رائے سے

۷۶۵ پوچھتے کیا ہو کہ تو بیرو ہے یا ہر بنس ہے — بندہ جو کچھ ہو بہر حالت بلا لیسنس ہے

۷۶۶ یاس اس سے ہو گئی امید تھی جس بات کی — جی رہا ہوں شکر ہے لیکن خوشی کس بات کی

۷۶۷ سیٹھ جی کو فکر تھی ایک ایک کے دس دس کیجیے — موت آ پہنچی کہ حضرت جان واپس کیجیے

ماتمِ شامِ اودھ میں میں تو اب مصروف ہوں   آپ ہی نظارۂ صبحِ بنارس کیجئے

افواہ ہے کہ اکبرؔ بیہوش ہو گیا ہے   یہ تو غلط ہے لیکن خاموش ہو گیا ہے ۷۶۸

فلسفہ اُن کا انھیں کی چال کا ہمدوش ہے   اُن میں دولت خیز ہے اور ہم میں مذہب نوش ہے ۷۶۹

بزمِ ہستی میں محبت کے ترانوں کو نہ چھوڑ   یہ وہ شے ہے جسے ہر ساز سے اک سازش ہے ۷۷۰

خود گوارا نہیں فریاد کا یہ جوش مجھے   کر بھی چکتی اجل آ کر کہیں خاموش مجھے ۷۷۱

عقل کچھ کر نہ سکی قدر شناسیٔ جنوں   بزمِ ہستی میں مبارک نہ ہوا ہوش مجھے

حالتِ قابلِ فریاد کے سب ہیں شاہد   اس سے کیا ہوتا ہے کر دیجئے خاموش مجھے

تابِ نظارۂ گلزار میں کیا لاؤں گا   رُت بدلنا ہی کئے دیتا ہے بیہوش مجھے

بُت پرستی میں بھی پردے کا ہوں حامی اکبرؔ   بخش ہی دیگا خداوند خطا پوش مجھے ۷۷۲

سبحہ صندل کا ہے مگر افسوس   دب گئی بو "فرنچ" پالش سے

مقابل غیر مذہب کے تو مذہب جوش رکھتا ہے   عموماً ورنہ اپنے آپ کو بے ہوش رکھتا ہے ۷۷۳

رہِ حق کے جو سالک ہیں وہ مستثنےٰ ہیں اے اکبرؔ   کہ اُن کو ساقیٔ توحید ساغر نوش رکھتا ہے

دلِ سوزاں کو اک نعمت سمجھ یہ گرمجوشی ہے   امیدِ آخرت میں مست رہ یہ بادہ نوشی ہے ۷۷۴

ان بتوں کے باب میں اتنی ہی میری عرض ہے   کفر ہے ان کی پرستش پیار کرنا فرض ہے ۷۷۵

اب تو ہے یہ سوچ کیا میں کیا بساطِ زندگی   ہو چکا دو دن کا وہ دورِ نشاطِ زندگی ۷۷۶

دیکھئے انجام کیا ہو۔ ڈر رہا ہوں دیکھ کر   لذتِ دنیا سے اتنا اختلاطِ زندگی

یہ بھی فانی وہ بھی فانی دونوں ہیں بے اعتبار   انقباضِ موت ہو یا انبساطِ زندگی

یوں تو ہیں جتنے شگوفے سب کو فکرِ باغ ہے   یہ مگر سچ ہے کہ لالہ ہی کے دل میں داغ ہے ۷۷۷

خود یوں میں قافئے ہیں زمانا ردیف ہے   یہ نظم کائنات بھی کتنی لطیف ہے ۷۷۸

۷۷۹ سخن میں یوں تو بہت موقعِ تکلّف ہے — خودی خدا سے جھکے بس یہی تصوّف ہے
کوئی عظیم نتیجہ ضرور ہے ملحوظ — نظامِ جسمِ بشر میں بڑا تکلف ہے
خدا کا شوق نہ ہو آخرت کا ذوق نہ ہو — اسی کا نام ہے دنیا تو لائقِ تُف ہے
بسانِ تیغ کبھی سُرخرو یہ ہو نہ سکی — عجب نہیں کہ اسی سے تفنگ پہ تف ہے

۷۸۰ حسیں جیسے ہو تم یوں ہی خوش اخلاق ہو جاتے — زمانہ مدح کرتا شہرۂ آفاق ہو جاتے
حواس و ہوش رخصت ہو چکے دم بھی نکل جاتا — تو فطرت کے جو قرضے ہیں وہ سب بیباق ہو جاتے

۷۸۱ بے مثل فائدہ ہمیں دل کے سبق سے ہے — خلوت میں انجمن کا مزا یادِ حق سے ہے

۷۸۲ خلق مجھ سے طالبِ پابندیِ اخلاق ہے — میری یہ حالت کہ مجھ پہ پھینک یہ بھی شاق ہے
دِل کے ٹکڑے کر دیے غم نے جگر خوں ہو گیا — ہوش کا یہ تو ستم دیکھو کہ اب تک چاق ہے

۷۸۳ یار کا حسن سب پہ فائق ہے — واقعی دیکھنے کے لائق ہے
ان مصائب سے کام لے اکبر — غم بڑا مدرکِ حقائق ہے

۷۸۴ دوسروں پر نکتہ چینی کا تجھے کیوں شوق ہے — اپنی اپنی خو ہے اکبر اپنا اپنا ذوق ہے

۷۸۵ صوفیِ باصفا کا بھی اچھا مذاق ہے — اس فلسفے میں ہوش کا آنا فراق ہے

۷۸۶ فقط سڑکوں سے تسکین نگاہِ چشمِ شرقی ہے — اندھیرا ہے گھروں میں راستوں میں لمپ برقی ہے

۷۸۷ ہر کس و ناکس سے دُنیا میں تملق کیجیے — یا جہاں تک ہو سکے ترکِ تعلق کیجیے

۷۸۸ عشق کے معنے کے عالم تھے مگر عاشق نہ تھے — صورتِ عذرا سے واقف تھے مگر وامق نہ تھے

۷۸۹ پھنسا ہوں زندگی میں سانس رُک کے رُک نہیں سکتی — مگر دنیا کی خاطر میری گردن جھک نہیں سکتی

۷۹۰ تیری باتیں رہِ تحقیق کی سالک ہی نہیں — میں نہ مانوں گا کہ میرا کوئی مالک ہی نہیں
لطف جب تھا کہ مُنی اور رِشی رہتے تھے — ہردوار اب وہ نہیں اور وہ سوالک ہی نہیں

شکر ہے سنّی و شیعہ کا ارادہ نیک ہے   طرزِ طاعت دو سہی ترکیب کا لُب ایک ہے ۷۹۱
گھر میں گو یہ فرق ظاہر ہو کہ حلوا یا پلاؤ   خوانِ مغرب پر مگر دونوں کے آگے کیک ہے

آنکھ مجبور نہیں بت کو اگر تکتی ہے   ہو خدا پر جو نظر بند بھی ہو سکتی ہے ۷۹۲

یہ لفظ تو ہیں برائے معنی مگر نہایت ہی سست و ناقص   زباں پیچھے ہی رہ گئی ہے نگاہِ دل دور تک گئی ہے ۷۹۳

کافی اگرچہ لیٹنے کو اک پلنگ ہے   انگڑائیوں کا عرصۂ دنیا بھی تنگ ہے ۷۹۴

قومِ ضعیف تنگ ہے چندوں کی مانگ سے   کالج کے چیونٹے لپٹے ہیں ٹیٹری کی ٹانگ سے ۷۹۵
عالم ہیں چپ جو مستند و باوقار ہیں   گونجا ہوا پریس ہے وفاقی کے سانگ سے

دنیا اپنے سازوں میں اک دن بھی خوش آہنگ نہ تھی   وہ کون زمانہ گذرا ہے جب حرص نہ تھی جب جنگ نہ تھی ۷۹۶
ہاں نفس کے بندے لڑتے ہیں شوکت کے لئے دنیا کے لئے   جو حق کی طرف سے مصلح ہیں ہیں تیغ بکف عقبےٰ کے لئے

واعظ کا جو ارشاد ہے وہ "ریزنیبل" (معقول) ہے   رندوں کی یہ مستی بھی مگر "سنزیبل" (موافق موسم) ہے ۷۹۷

گو سعی ہوائے شوق نے کی پر اس کی نہ نکلی محفل سے   مجنوں نے اڑائی خاک بہت لیلیٰ نے نہ جھانکا محمل سے ۷۹۸
دنیا کے تغیر کا نہیں حس شیدائے جمالِ یاری کو   پروانے کو مطلب شمع سے ہے کیا کام اسے رنگ محفل سے
احساس ہی ایذا کا نہ ہوا فریاد و فغاں میں کیا کرتا   جس وقت تہِ خنجر تھا گلا آنکھ اپنی ملی تھی قاتل سے

جلوہ گر ہے حسنِ بت وقت اضطرابِ دل کا ہے   المدد اے ذوقِ عرفاں سامنا مشکل کا ہے ۷۹۹
تیرے مجنوں کے بیاباں کا ہے عالم دوسرا   جو بگولا ہے وہ اک ناقہ کسی محمل کا ہے
ذرہ ذرہ ہے طریقِ عشقِ حق میں دلنواز   ہر قدم پر سالکِ رہ کو گماں منزل کا ہے
بحرِ ہستی خود حدوں سے اپنی ہے ناآشنا   اک تلاطم ہے بپا کس کو پتہ ساحل کا ہے
یہ نظر کی ناتوانی یہ بتوں کی زینتیں   کیا کہوں اکبر بس اب اللہ مالک دل کا ہے

کیا شان ترے جمال میں ہے   ہر وقت زمانہ حال میں ہے ۸۰۰

پھنستی ہے اگر تو صرف مچھلی
کہنے کو تو جل بھی جال میں ہے
نیٹو کی گذر ہے دال ہی پر
کالا اس طرح دال میں ہے

۸۰۱ نہیں جب اپنی ملت کا اصول مستقل کوئی
کرے کیا رکھ کے سینے میں وفا اندیش دل کوئی

۸۰۲ ہم پہ الزام کے دھبے جو ہیں دُھل جائیں گے
حسبنا اللہ کے معنی کبھی کھل جائیں گے

۸۰۳ کیا تصور ہے کہ دل جس سے دہل جاتا ہے
دم نکلتے ہی وہ قانون بدل جاتا ہے
وہی فطرت کہ جو تھی حفظ بدن پر مامور
اسی فطرت سے بدن خاک میں گل جاتا ہے

۸۰۴ قیوم وحی کا ہے تصور معین روح
فانی کا شوق فتنۂ ہستی کا جال ہے

۸۰۵ مضموں ملا جو موج میں نقش بر آب کا
بیخود ہوئے حباب بھی ٹوپی اُچھال کے
اے شمع بافروغ ہے راہ فنا میں تو
سالک بہت ہی کم ہیں ترے چال ڈھال کے

۸۰۶ بزم ہستی ہے طلسم بے مثال زندگی
خاک ہے پروانۂ شمع جمال زندگی
جسم بن کر جان سے لپٹی ہوئی آخر فنا
خاک تھی پروانۂ شمع جمال زندگی
ہے یہی دستور لیکن کس قدر افسوسناک
زندگی ہی کو سمجھ لینا مآل زندگی
عشق حسنِ آخرت میں چاہئے مستیِ روح
موت سے آساں نہیں اکبر وصال زندگی
ہے دلیل نور باطن حب دنیا کا زوال
موت کا مشتاق ہونا ہے کمال زندگی
خوبی معنی کا ہے فطرت میں اکبر اعتبار
حسن صورت میں نہیں جاہ و جلال زندگی

۸۰۷ الحذر اُس درد سے جو مشتعل ہو کر رہے
الاماں اس یاد سے جو زخم دل ہو کر رہے
بزم ہستی میں رہا اکبر تو کیا اس کی خوشی
حکم جب یہ ہے کہ بے حد مضمحل ہو کر رہے

۸۰۸ بجائے مرحبا و آفریں فریاد اُٹھی دل سے
مجھے شرمندگی ہے قوت بازوئے قاتل سے
سکوت اولیٰ ہے کیا حاصل بیان حالت دل سے
تعجب خیز باتیں ہیں یقیں آئے گا مشکل سے

جنونِ پردہ در ہے شائقِ رسوائیِ مجنوں
عجب کیا ہے کہ اب لیلیٰ کو بھی وحشت ہو محمل سے

ضرورت کم ہے راہِ عشق میں خضرِ ہدایت کی
بہ قدرِ شوقِ سالک خود کشش ہوتی ہے محمل سے

بصیرت نے قیامت کی ہے اس بیدست و پائی پر
مصیبت میں پھنسا ہوں امتیازِ حق و باطل سے

جھکا سکتا ہوں میں سر کو زباں کو روک سکتا ہوں
جواب اس کا مگر کیا ہے کہ تو کافر نہیں دل سے

جنوں ہنگامۂ بے مدعا میں مست رہتا ہے
مبارک سعی ہے اُس کی کہ مستغنی ہے حاصل سے

بیانِ مدعا سے روک لیتا ہوں زباں اپنی
تمنا سے ہے مجبوری کہ وہ گستاخ ہے دل سے

تدبیرِ بشر پیشِ قضا چل نہیں سکتی
میں دیکھ چکا ہوں شدنی ٹل نہیں سکتی ۸۰۹

ارمان کوئی اب مرے دل میں نہیں آتا
ٹوٹی ہوئی جو شاخ ہے وہ پھل نہیں سکتی

مر جائیں مگر رکھیں گے ثابت قدم اپنا
ہے مرد میں جو دال کبھی گل نہیں سکتی

لاکھ آرائش کرے کوئی مگر اے جانِ جاں
جس کی زینت آپ ہیں رونق اُسی محفل کی ہے ۸۱۰

کھیل جینے کا کھیل ہی لیں گے
جو گذرتی ہے جھیل ہی لیں گے ۸۱۱

معاذاللہ کیا بے ادبیِ تقدیرِ بسمل ہے
تڑپنا سامنے قاتل کے گستاخی میں داخل ہے ۸۱۲

وہی قانونِ فطرت ہے جسے تقدیر کہتے ہیں
جسے قسمت سمجھتے ہیں وہ تدبیروں کا حاصل ہے

نفس میں اُلجھا ہے تو اکبر ابھی دل دور ہے
راہ کے یہ خوشنما منظر ہیں منزل دور ہے ۸۱۳

جہاں میں عقل کی حسرت نکل نہیں سکتی
خدائی ذہن کے سانچے میں ڈھل نہیں سکتی ۸۱۴

جینے میں یہ غفلت فطرت نے کیوں طبعِ بشر میں داخل کی ۸۱۵
مرنے کی مصیبت جانوں پر کیوں قدرتِ حق نے نازل کی
کیوں طولِ امل میں اُلجھایا انسان نے اپنے دامن کو
کیوں زلفِ ہوس کے پھندے میں پھنستی ہے طبیعت غافل کی

کیوں ہجر کے صدمے ہوتے ہیں کیوں مردوں پہ زندے روتے ہیں
کیوں جنگ میں جانیں جاتی ہیں کیوں بڑھتی ہے ہمت قاتل کی
منطق کا تو دعوےٰ ایک طرف طاقت کی یہ شوخی ایک طرف
کیا فرق ہے خیر و شر میں یہاں کیا جانچ ہے حق و باطل کی

۸۱۶ کہاں ثبات کا اس کو خیال ہوتا ہے — زمانہ ماضی ہی ہونے کو حال ہوتا ہے
فروغ بدر نہ باقی رہا نہ بُت کا شباب — زوال ہی کے لئے ہر کمال ہوتا ہے
میں چاہتا ہوں کہ بس ایک ہی خیال رہے — مگر خیال سے پیدا خیال ہوتا ہے
بہت پسند ہے مجھ کو خموشی و عزلت — دل اپنا ہوتا ہے اپنا خیال ہوتا ہے
وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں — وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے
سوسائٹی سے الگ ہو تو زندگی دشوار — اگر ملو تو نتیجہ ملال ہوتا ہے
پسند چشم کا ہرگز کچھ اعتبار نہیں — بس اک کرشمۂ وہم و خیال ہوتا ہے
اگرچہ آہ سے تکلیف دل کو ہو لیکن — ہوائے نفس میں کچھ اعتدال ہوتا ہے
نگاہِ لطف بتاں مطمئن نہیں کرتی — فریب ہی کا مجھے احتمال ہوتا ہے
خدا کا شوق ہو جس کو مرا اس کا شائق ہو — خدا کا یوں تو ہر اک کو خیال ہوتا ہے
اگرچہ ریش منڈانے سے ہے صفائی رخ — گناہگار مگر بال بال ہوتا ہے

۸۱۷ خودی کے اظہار میں دوئی ہے دوئی کو وحدت سے کیا تعلق — فراق اپنا کرے گوارا جو کوئی اُس کا وصال چاہے

۸۱۸ ابتدا گرمی کی ہے اپریل سے — اب میں گھبرانے لگا کھپریل سے

۸۱۹ حضور سے سبب افسردگی کا کیا میں کہوں — نشاط طبع غلامی کے ساتھ مشکل ہے

۸۲۰ کتمان رازِ عشق مرے آب و گل میں ہے — خاموش ہے زبان جو کچھ ہے وہ دل میں ہے

افعیٔ زلف مس کا تو سودا برا نہیں پیچیدگی جو کچھ ہے فقط اس کے بل میں ہے

صبر رہ جاتا ہے اور عشق کی چل جاتی ہے ضبط کرتا ہوں مگر آہ نکل جاتی ہے ۸۲۱
کچھ نتیجہ نہ سہی عشق کی امیدوں کا دل تو بڑھتا ہے طبیعت تو بہل جاتی ہے
شمع کے بزم میں جلنے کا جو کچھ ہو انجام مگر اس عزم سے سانچے میں تو ڈھل جاتی ہے
وعدۂ بوسۂ ابرو کا نہ کر غیر سے ذکر دل لگی میں کبھی تلوار بھی چل جاتی ہے

طبیعت تیری انجنیر کے آگے کیوں بدلتی ہے یہ تیری سانس چلتی ہے تو کیا انجن سے چلتی ہے ۸۲۲
کبھی سائنس کے ان دیوتاؤں سے ذرا پوچھو یہ مشت خاک کیونکر جان کے سانچے میں ڈھلتی ہے
وہی بیج شجر تحریک موسم بھی وہی لیکن کوئی ڈالی تو رہ جاتی ہے کوئی شاخ پھلتی ہے
نہ اس میں دخل دولت کو نہ منطق کو نہ طاقت کو دلی حالت خدا ہی کی عنایت سے سنبھلتی ہے

اکبر شگفتگی سے بے گانہ ہو گیا ہے پھر کیا اسے چمن کی کوئی ہوا کھلائے ۸۲۳

دین کا ادعا ہے خلق میں سہل حق ہو راضی یہ بات مشکل ہے ۸۲۴
آمنو میں تو سب کے آگئے ہیں عملوا الصالحات مشکل ہے
چشم ظاہر جسے نہ دیکھ سکے اس طرف التفات مشکل ہے
وصل ہو یا فراق ہو اکبر جاگنا ساری رات مشکل ہے

اسٹیشن فنا کی بھی کیا خوب ریل ہے اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے ۸۲۵
غفلت نے کر دیا جنھیں آزاد وہ نہیں میری نگاہ میں تو یہ دنیا ہی جیل ہے

عیش دنیا میں بہت ہے کہ مصیبت ہے بہت اُس سے پوچھو جو کوئی پیر کہن سال ملے ۸۲۶

امید راحت اس دنیا میں تصویر خیالی ہے کہاں ہے جام عیش ایسا کہ جو تلخی سے خالی ہے ۸۲۷

کار دنیا میں بھی یاد مرگ غالب دل پہ ہے راہ ہے زیر قدم لیکن نظر منزل پہ ہے ۸۲۸

۸۲۹ غنچہ کھل جائے تو پھر زینت محفل نہ سہی خود شگفتہ رہے گلدستے میں داخل نہ سہی
زاہد خشک کی صحبت سے میں گھبراتا ہوں سوز دل جب نہیں پھر کچھ نہیں جاہل نہ سہی
چشم کم سے یہ بت اکبر کو جو دیکھیں دیکھیں ہے وہ مقبول حرم دیر کے قابل نہ سہی

۸۳۰ دل وہ ہے جو باغ ایمان کی ہوا سے پھول جائے آخرت کی یاد میں دنیا کو بالکل بھول جائے
یہ ارادے ہیں تو ذکر مکتب و مسجد فضول کہہ دو لڑکے سے خریدے ریڈر اور اسکول جائے
پالسی کے باغ میں جھولے امیدوں کے بہت جس کا جی چاہے وہ [illegible] بے تکلف جھول جائے

۸۳۱ ذہن عالی اور ہے جمعیت دل اور ہے علم منزل اور ہے اور قرب منزل اور ہے

۸۳۲ مصرعہ بہت بلیغ یہ اُن کی غزل میں ہے شیخی تو مسئلوں میں ہے جنت عمل میں ہے

۸۳۳ بلا زینت بھی رنگیں دل کو راحت مل ہی جاتی ہے کلی بیرون گلشن ہو تو وہ بھی کھل ہی جاتی ہے
بھروسا انتظام عافیت کا کیا ہے دنیا میں کہ ہر بنیاد آخر اک دن ہل ہی جاتی ہے

۸۳۴ تازگی رنگ گل پژمردہ میں ممکن نہیں کیا چلے باد صبا کی لطف شبنم کیا کرے
نیٹویت پر کیا میں نے جو اظہار ملال سُن کے صاحب نے کہا "سچ ہے مگر ہم کیا کرے"
انکشاف راز ہستی عقل کی حد میں نہیں فلسفی یاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے
کبر ظاہر حرص غالب ذکر حق دیوانگی اس جگہ کوئی سر تسلیم کو خم کیا کرے
چاہتا ہوں صرف اک بوسہ دہان تنگ کا خواہشیں اس سے زیادہ اب کوئی کم کیا کرے

۸۳۵ خیر کب ہے عشق گیسو میں دل ناکام کی دیکھتے ہو ہند میں حالت جو ہے اسلام کی
دیکھ کر تیری اُداسی ہائے اے شمع سحر محو دل سے ہو گئی رونق چراغ شام کی
واقعات دہر سے دل بستگی کم کیجئے پھر شکایت کم رہے گی گردش ایام کی

۸۳۶ حضرت اکبر مرے کس کام کے ہیں تو مسلمان مگر نام کے

لے گئی ایمان تیری چشم مست   اہل نظر رہ گئے دل تھام کے

خالق سے دل لگانا اسلام ہے تو یہ ہے   ہر کام میں توکّل بس کام ہے تو یہ ہے ۸۳۷
کرتا ہوں اللہ اللہ اور دل میں ہوں سمجھتا   کام آئے مرتے دم بھی وہ نام ہے تو یہ ہے
تکلیف صبر سہئے آرام ہے تو یہ ہے   ناکردنی سے بچئے بس کام ہے تو یہ ہے

اس قدر گستاخ دل سے شدت غم ہو گئی   آپ اپنے ساتھ ہمدردی مری کم ہو گئی ۸۳۸
وہ طبیعت وہ امیدیں وہ مشاغل وہ نشاط   اب کہاں وہ بات تھی اک بزم برہم ہو گئی
دل تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ کچھ سمجھا نہیں   اب زباں بھی قایل واللہ اعلم ہو گئی
شاہد بزم ازل کے فیض کا کیا پوچھنا   خاک نے اتنی ترقی کی کہ آدم ہو گئی
ہو مسلمانوں کو شاید اب بھی عقبیٰ کا خیال   آخرت پر لیکن اب دُنیا مقدم ہو گئی

خدا کہاں ہے جواب اس کا ہر مقام میں ہے   نہ سمجھے کوئی تو کہہ دو کہ اپنے نام میں ہے ۸۳۹
بغیر موت و مصیبت کے چل نہیں سکتا   عجیب راز یہ دنیا کے انتظام میں ہے

آنکھ محروم سہی لب پہ ترا نام تو ہے   تیری ہستی کا یقیں قاطع اوہام تو ہے ۸۴۰
کہتی تھی سبز پری ہو کے سبھا سے خارج   راجہ اندر نہ سہی جلوۂ گلفام تو ہے
برہمن دل میں اگر رام سے کہتا ہے کہ آ   بات یہ خوب ہے اک صورت آرام تو ہے

ہمیں تو خامشی میں اپنے دل سے کام لینا ہے   زباں وہ بزم میں کھولیں جنھیں انعام لینا ہے ۸۴۱
نہایت خوشنما کھولی ہیں آپ نے لیکن   وہ رکھیں پاؤں جن کو اپنے سر الزام لینا ہے

سنورتے تھے کہ اک عالم کی آنکھیں ہم کو دیکھیں گی   خبر کیا تھی ہماری مجلس ماتم کو دیکھیں گی ۸۴۲

عالم معنی میں ہیں اتنا ہی ہم میں زور ہے   ہاتھ میں رعشہ ہے اب لیکن قلم میں زور ہے ۸۴۳

سچی خوشی جہاں میں ہو بھی اگر تو کم ہے   بس غفلتیں ہیں طاری ورنہ نہیں تو غم ہے ۸۴۴

۸۴۵ میرا مسلک کچھ جدا ہے شیخ کے اسلام سے
یاں خدا سے کام ہے اُس کو خدا کے نام سے

یاں نگاہِ خاص سے ہوتا ہے دل کو انبساط
اس کو راحت ملتی ہے فطرت کے فیضِ عام سے

عشوۂ ساقی کا یاں طالب ہوں میں بہرِ سرور
اخذ کر لیتا ہے وہ مستی کو دورِ جام سے

ہے کفیلِ کار میرا یاں جنونِ صلح خیز
واسطہ رہتا ہے اُس کو عقلِ جنگ انجام سے

مست رکھتے ہیں اُسے جھونکے ہوائے باغ کے
کام اِملی سے نہ اکبر کو نہ مطلب آم سے

۸۴۶ اگرچہ تکلیفِ نزع میں ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

۸۴۷ چشم و دل میں عکسِ دنیا کا ہجومِ عام ہے
مشتبہ ہنگامۂ ادراک کا انجام ہے

چشمِ ابراہیم و دورِ انجم و شمس و قمر
اس کو کہتے ہیں نظر اور عقل کا یہ کام ہے

۸۴۸ اتنے ساتھی اُٹھ گئے اس بزمِ غم انجام سے
دل کو شرم آنے لگی اب خواہشِ آرام سے

۸۴۹ کہاں دلوں سے شریعت کا کام چلتا ہے
فقط زباں سے بزرگوں کا نام چلتا ہے

ہوئی طریقِ بزرگاں کی پیروی مفقود
بس اُن کے نام پہ لٹھ صبح و شام چلتا ہے

۸۵۰ فلسفہ غم کا جسے معلوم ہے
ہو مبارک وہ اگر مغموم ہے

کر دیا اُس کو بصیرت نے خموش
اب تو اکبر کی نظر کی دھوم ہے

۸۵۱ مُسلّم پر عمل کرنے سے غافل نفسِ آثم ہے
جدھر دیکھو وہی بحثیں ہیں جن میں لا نسلّم ہے

۸۵۲ کھلایا شیخ کو اُس شوخ کے شیریں تکلّم نے
مٹایا زہد کی خشکی کو اک موجِ تبسّم نے

۸۵۳ تصوف ہی نے بارے دل میں حق کا نام لایا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

۸۵۴ حضرتِ اکبر کا ان روزوں بڑا ہی نام ہے
"لولو لوبی" پر حُدی خوانی انہیں کا کام ہے

۸۵۵ نہ مدحِ بت سے نہ آرائشِ کلام سے ہے
مری زبان کی عزت خدا کے نام سے ہے

یہ معذرت تو ملاقاتیوں سے آپ کریں
مجھے تو کام فقط آپ کے سلام سے ہے

کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا مقام ہے — فطرت کے کارخانہ میں غم کا گدام ہے ۸۵۶

باغباں ہی کے یہ طالب ہیں ہوا سے غافل — پختگی کی نہیں امید کچھ ان خاموں سے ۸۵۷

الم ضعیف ہو لذت اگر عدم ہو جائے — خوشی کو منھ نہ لگاؤ تو غم بھی کم ہو جائے ۸۵۸

کیوں یہ کہہ رہے ہو ہر اک میں وہ اثر جو ہم میں ہے — تم کو کیا معلوم اکبر کون کس عالم میں ہے ۸۵۹

ہمیں جھلکیں ہیں ابھریں عبث درپے ہوس غم کے — کہ چھڈ خدا سمجھو خدا چمکا تو ہم چمکے ۸۶۰
میں مست بادۂ عبرت ہوا ہوں اس تصور سے — کہ دو ذرے بھی اب اک جا نہیں ہیں ساغر و جم کے

ساری دنیا آپ کی حامی سہی — ہر قدم پر مجھ کو ناکامی سہی ۸۶۱
نیک نام اسلام میں رکھے خدا — کفر کے حلقے میں بدنامی سہی

چھوٹے ہی دنیا میں ہوتے ہیں زیادہ کم بڑے — سب مگر لڑتے ہیں اس پر تم بڑے یا ہم بڑے ۸۶۲

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی — لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی ۸۶۳
زور آزمائیاں ہوئیں سائنس کی بھی خوب — طاقت بڑھی کسی کی کسی میں نہیں رہی
دنیا کبھی نہ صلح پہ مائل ہوئی مگر — باہم ہمیشہ برسرِ پیکار و کیں رہی
پایا اگر فروغ تو صرف ان نفوس نے — جن کی کہ خضرِ راہ فقط شمعِ دیں رہی
اللہ ہی کی یاد بہرحال خلق میں — وجہ سکونِ خاطرِ اندوہگیں رہی

جس نے دل کو دے دیا ہے دل لگی کے واسطے — کیا تعجب ہے کہ تفریحاً ہماری جان لے ۸۶۴

وہی الم وہی سوزِ جگر فغاں بھی وہی — وہی زمین کا چلن دورِ آسماں بھی وہی ۸۶۵
بھرا ہوا ہے مضامینِ غم سے مکتبِ دہر — فلک کا کورس وہی میرا امتحاں بھی وہی
میں صاف گو وہ ستم گر خدا ہی خیر کرے — مری زباں بھی وہی اور وہ بدگماں بھی وہی
نہ ان سے میری صفائی نہ ان سے میرا بگاڑ — کدورتیں بھی وہی اور چنیں چناں بھی وہی

حرم نظر میں ہے قسمت ہے دیر سے اُنکی — خدا کا گھر بھی وہی بت کی شوخیاں بھی وہی
مذاق بزمِ احبا جو کچھ ہو اسے اکبر — مری زبان بھی وہی اور مرابیاں بھی وہی

۸۶۶ ہے منع ملاقات مری ہم نفسوں سے — فریاد کا موقع نہیں فریاد رسوں سے
تعداد وہی انگلیوں کی گو ہے بدستور — بیگانگیِ ساعد و بازو ہے وسوں سے
ہے حکم کہ جس پالسیوں کے ہو مطابق — اب کام بدن کو نہ رگوں سے نہ نسوں سے
چوری نہ کبھی کی ہے نہ کرنے کا ارادہ — پھر بھی یہ ضرورت ہے کہ بھاگوں عسسوں سے

۸۶۷ خموش شمع صفت کیوں نہ ہو زباں میری — کہ خود ہی بزم میں روشن ہے داستاں میری
اگرچہ عقل سے کرتا ہوں میں حفاظتِ جاں — مگر نہ عقل مرے بس کی ہے نہ جان میری

۸۶۸ اگرچہ قدرت ہے بولنے کی مگر فسردہ دلِ حزیں ہے — عجیب حالت ہوئی ہے پیدا زبان باقی ہے منھ نہیں ہے
جہانِ فانی کی اتنی وقعت تمھارے ہی فلسفے میں ہوگی — مرا عقیدہ تو یہ نہیں ہے کہ جو خدائی میں ہے نہیں ہے
نہیں ہے قومی چمن میں قائم جہاں ضرورت وہیں شگفتہ — دلِ اُن کا گملے کا پھول ہے اب کبھی کہیں ہے کبھی کہیں ہے
بہت نہ رونے سے یہ سمجھو کہ کم ہے جوشِ سرشک دل میں — یہ آنسوؤں کی کمی نہیں ہے رعایتِ ظرفِ آستیں ہے

۸۶۹ مبارک اُن کو جو حالاتِ طبقاتِ زمیں سمجھے — یہ ہونچ وہ بھی گئے زیرِ زمیں جو کچھ نہیں سمجھے

۸۷۰ بزمِ طرب میں بھی جو حزیں تھے حزیں رہے — دل اُس کا اُس کے ساتھ ہے کوئی کہیں رہے
رکھیں نہ ہم سے دوست امیدِ نشاطِ طبع — گو انجمن وہی ہے ہم اب وہ نہیں رہے
پیدا زیادہ سب سے دلیلیں ہمیں نے کیں — اور شبہے میں بھی سب سے زیادہ ہمیں رہے
کرتے تمام عمر جہاں اور جنیں رہے — آخر میں کی نظر تو جہاں تھے وہیں رہے

۸۷۱ یہ سانس نہیں ہے سینے میں اک پھانس بشر کی جان میں ہے
درد اُس کا مگر محسوس نہیں غفلت کا خمیر انسان میں ہے

دنیا کی امید اور اُس کے مزے دنیا کی چمک دنیا کی صدا
کب ہم کو سمجھنے دیتی ہے کس درجہ کمی ایمان میں ہے

جو ہجر کے معنی سمجھے ہیں ہے موت وصال اُن کے حق میں
لیکن یہ سمجھ ہر اک کی نہیں یہ بات فقط عرفان میں ہے

فروغ دل اب نہیں ہے باقی وہ سوز و ساز اس میں اب نہاں ہے ۸۷۲
یہ آہ و فریاد ہے جو لب پر بجھی ہوئی شمع کا دھواں ہے

دل شکستہ میں ایمان رہ سکے تو رہے   اُجاڑ گھر میں یہ مہمان رہ سکے تو رہے ۸۷۳
دل ضعیف کو چارہ نہیں ہے کفر سے اب   اگر زبان مسلمان رہ سکے تو رہے

ہمہ تن درد کا مضمون ہوا جاتا ہے   حالت ایسی ہے کہ دل خون ہوا جاتا ہے ۸۷۴
اتفاق امر مصیبت کو میں سمجھا تھا مگر   اب وہ میرے لئے قانون ہوا جاتا ہے

رگ جاں پر ہے جب مضراب ہجراں بین کیا ہوگی   جہاں یہ سوز ہے اس ساز سے تسکین کیا ہوگی ۸۷۵
کہاں اور کس طرح قائم کروگے یادگار ان کی   دم آخر یہ ذکر اُن سے کرو۔ یاسین کیا ہوگی
بتانِ دیر میں پرستش مری ہو یا نہ ہو اکبر   جو ہو۔ اعزاز کیا ہوگا۔ نہ ہو توہین کیا ہوگی

رندی میں ذرا خوف بتوں کا نہ کریں گے   ڈرنا کبھی ہوگا تو خدا ہی سے ڈریں گے ۸۷۶
اس حُسن کے عاشق کو فنا ہو نہیں سکتی   جو آپ پہ مرتے ہیں وہ ہرگز نہ مریں گے

جائے تیری ہی محبت میں مجھے وہ جان دے   عیش و کلفت میں رہے محفوظ وہ ایمان دے ۸۷۷
منتشر رہتا ہے مکروہات دنیا سے بہت   اس دلِ مضطر کو یا اللہ اطمینان دے

خوب ہے مرگ و فنا سے جو مٹے میری خودی   اور اُسے وصلِ حق پرتوِ عرفان کردے ۸۷۸
گُل کو کیوں اس کا الم ہوگا کہ وہ گل نہ رہا   ارتقا اس کو اگر عارضِ جاناں کردے

۸۷۹ آپ کے لطف سے اللہ بچائے دل کو
ہم تو سمجھے ہیں بلا آپ کے احسان کو بھی

۸۸۰ اللہ تو بے شبہ وہیں ہے کہ جہاں تھا
مسلم سے تو پوچھو وہ یہیں تھا کہ جہاں ہے

۸۸۱ بحث کی خو اور ہے اور عشق یزداں اور ہے
رنگ مذہب اور ہے اور نور ایماں اور ہے

۸۸۲ مہ و خور سے سوا ان کا رخ گلفام روشن ہے
یہی جلوے وہ ہیں جن سے خدا کا نام روشن ہے
مرے دل پر ہے شمع صبح کی افسردگی چھائی
ترا رخ زلف میں مثل چراغ شام روشن ہے

۸۸۳ جو میری ہستی تھی مٹ چکی ہے نہ عقل میری نہ جان میری
ارادہ اُن کا دماغ میرا خیال اُن کا زبان میری

۸۸۴ چھیڑنا اچھا ہے ساز سعی کا اس بزم میں
آدمی کو زندگی میں اک نہ اک دھن چاہیئے
ہو دسمبر میں مبارک یہ اُچھل کود آپ کو
حزن مجھ میں بھی ہے لیکن مجھ کو بھاگن چاہیئے

۸۸۵ ہے تحت فلک میں جو زمیں ہے
دنیا اچھی جگہ نہیں ہے
شک اس میں نہیں کہ ہے وہی وہ
ہم میں لیکن ہمیں ہمیں ہے

۸۸۶ کان میں بات بزرگوں کی سماتی ہی نہیں
ناک میں دم ہے جوانی کے خریداروں سے

۸۸۷ گو ہو گئے شکم کے مطالب کے ترجماں
افسوس ہے کہ دل کے زباں داں نہیں رہے

۸۸۸ سامنا ہر دم قیامت کا مجھے جینے میں ہے
کچھ نہ پوچھو کس قدر بے چینی دل سینے میں ہے
کیا ثبات عمر بس اک جنبش فطرت کی دیر
زندگی کیا ہے فقط اک عکس آئینے میں ہے

۸۸۹ اجل آ پہونچی قبل اس کے کہ سمجھیں راز ہستی کا
بگاڑا موت نے اور یہ نہیں سمجھے بنے کیوں تھے

۸۹۰ پریس میں شیخ ہیں مسجد اُجاڑ ایوان خالی ہے
کتب خانہ بھرا جاتا ہے اور میدان خالی ہے
جو کچھ چاہیں سنائیں اور بٹھائیں وہ مرے دل میں
کہ ان روزوں ہے میری آنکھ بند اور کان خالی ہے

۸۹۱ زبان و لفظ کا جلوہ فقط حد بیاں تک ہے
تسلسل موج معنے کا خدا جانے کہاں تک ہے
خدا کی راہ میں بے شرط کرتے تھے سفر پہلے
مگر اب پوچھتے ہیں ریلوے اس میں کہاں تک ہے

تمھارے مذہبی دعوے جو کچھ ہوں میں یہ دیکھوں گا — عقیدوں کا اثر فکرِ معیشت پر کہاں تک ہے
میں اپنے دل کی قیمت عرض کر ہی دوں گا بالآخر — مگر ارشاد تو ہو آپ کی نیت کہاں تک ہے
خدا ہی کی ہدایت کرتی ہے نورِ یقیں پیدا — دلیلوں کی رسائی تو فقط وہم و گماں تک ہے
کہو ملت کے لیڈر سے وہ مذہب سے نہ ہو غافل — کہ قومی زندگی کچھ ہے تو بس اس نیم جاں تک ہے
ترقی خواہ دل کو آہِ سوزاں چاہیئے اکبر — یہی شعلہ وہ ہے جس کی بلندی آسماں تک ہے
جنوں کا ادعا حدِ تکلف میں نہ کر اکبر — گریباں چاک ہے تیرا مگر دیکھوں کہاں تک ہے

---

۸۹۲ معنی کی گرہ کہاں کھلی ہے — الفاظ ہی کی دُکاں کھلی ہے
ہر واہ کی تہ میں ہے یہاں آہ — دم بند ہے اور زباں کھلی ہے

---

۸۹۳ نظر نثارِ نقوشِ ظاہر یہ ہوش دنیا کا پاسباں ہے — جو یہ نگاہیں ہیں یہ دل ہے تو آخرت کا پتہ کہاں ہے

---

۸۹۴ اس بزم میں کیا آثار ملے ہنگام سحر سامانوں کے — اک داغ تھا شمع مردہ کا کچھ پر تھے پڑے پروانوں کے
ہستی کی یہ ہر پل دام نظر دم بھر میں نشاں رکا نہ اثر — گرداب فنا میں غرق ہیں سب دریا ہیں رواں افسانوں کے
دل لذت نفس کا گرویدہ دنیا کی حقیقت پوشیدہ — اُمڈے ہیں فریب امیدوں کے طوفاں ہیں بپا ارمانوں کے
ہر گام پہ ہیں قبروں کے نشاں ہر سمت ہے اک عبرت کا سماں — اُجڑا ہے محل آبادی کا آباد ہیں گھر ویرانوں کے
دولت میں جو ہے خطرِ عصیاں ہو بہتر ہے کہ قانع انساں ہو — غالب بھی نہ ہوں شیطانوں پر تابع بھی نہ ہوں شیطانوں کے
یہ مدعی اسلام تو ہیں ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے — تقویٰ کی وہ بو بھی ان میں نہیں وہ رنگ نہیں ایمانوں کے
تھی عقل زباں پر لے اکبر اور عشق پہ بھی ہم نے نظر — ممتاز رہے ہشیاروں میں ہم خیل رہے دیوانوں کے

---

۸۹۵ یوسف کو نہ سمجھے کہ حسیں بھی ہیں جواں بھی — شائد نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

---

۸۹۶ ہمارا دل ہے عمارت کے ولولوں کے لئے — زمانہ کہتا ہے یہ سب ہیں زلزلوں کے لئے

---

۸۹۷ ہنسنا بھی یہاں ہے رونا بھی دلکش بھی ہے دنیا فانی بھی

جینا بھی ہے اور آبادی بھی مرنا بھی ہے اور ویرانی بھی
اللہ ہی ہے ان لڑکیوں کا فرفر بھی بنیں حدیں بھی رہیں
ہے کورس بھی ان کا اسکیمی اور پاس شدہ اُستانی بھی

۸۹۸ جو انقلاب گذشتہ ہے اک کہانی ہے — جو انقلاب کہ درپیش ہے وہ یانی ہے
الجھ کے دام حوادث میں آخرت کو نہ بھول — جو خوش نصیب ہے اُس نے یہ بات مانی ہے

۸۹۹ ہادی کبھی پیرو نہ ہوئے ہاں اس کے لئے لٹھ تان سکے — مذہب نے ہمیں پہچان لیا ہم اُس کو نہیں پہچان سکے

۹۰۰ کرے گا قدر جو دنیا میں اپنے آنے کی — اُسی کی جان کو لذت ملے گی جانے کی
نہ پوچھو بیٹھا ہوں کیوں ہاتھ پر میں ہاتھ دھرے — اُٹھوں گا نبض ذرا دیکھ لوں زمانے کی
مزا بھی آتا ہے دنیا سے دل لگانے میں — سزا بھی ملتی ہے دنیا سے دل لگانے کی
گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو لیں — اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی
یہ شرط ہے کہ کرو اتباع حکم رقیب — غضب یہ ہے کہ ضرورت ہے دل لگانے کی
خیالِ وسعت تحقیق تا کجا اکبر — کہ ہر نگاہ ہے محتاج اک فسانے کی

۹۰۱ تم ایک رہ نہ سکے تو خوشی سے پین بنے — یہاں تو کچھ نہ بنے۔ بے وقوف کون بنے

۹۰۲ ایسا جو ہو تو شاید یہ دل رہے ٹھکانے — دنیا کو میں نہ جانوں دنیا مجھے نہ جانے

۹۰۳ دیکھ ہی لیں گے نتیجہ کفر کا یہ خام طبع — تیری رونق اک دن اے ایمان ہو ہی جائے گی

۹۰۴ کھانے سے اگر جینا ہوتا مرتے نہ کبھی کھانے والے — کھانا بھی خدا کے حکم سے ہے جینا بھی خدا کے حکم سے ہے
ایمان ہے الفت رکھتا ہوں شیطان کو دشمن جانتا ہوں — الفت بھی خدا کے حکم سے ہے کینا بھی خدا کے حکم سے ہے
رہتا ہوں میں مستِ عہدِ ازل اور شیشۂ دل ہے زیرِ بغل — مستی بھی خدا کے حکم سے ہے پینا بھی خدا کے حکم سے ہے

۹۰۵ ہر چند با اثر ہے تدبیر باغباں بھی — لیکن بہار بھی ہے اک چیز اور خزاں بھی

دوران سر کی اپنے میں کیا کروں شکایت — گردش میں ہے زمیں بھی چکر میں آسماں بھی

٩٠٦ تمناؤں کی حالت کچھ نہ پوچھو دل کے بجھنے پر — اندھیرے میں نہیں معلوم پروانوں پہ کیا گذری

صدی ہے چودھویں اور انقلابوں کی نہیں کچھ حد — خدا ہی کو ہے علم اس کا مسلمانوں پہ کیا گذری

٩٠٧ تھے کو بھلا کے آپ فقط ہیں کو دیکھئے — ہم کا زمانہ اب نہ رہا ہیں کو دیکھئے

٩٠٨ عیش فردا کی اُمیدیں دایہ ہیں — طفل طبعوں کو کھلانے کے لئے

٩٠٩ جان اُڑی جاتی ہے حس موجود ہے دل خون ہے — نزع طاری ہوش حاضر یہ عجب مضمون ہے

٩١٠ عبادت ترک ہے اور ہر طرف نعرے ہیں قوموں کے — تماشے مشرقی پتلوں میں ہیں مغرب کے جادو کے

٩١١ چل بسے اسباب غفلت چشم عبرت رو چکی — میری ہستی تھی ہی کیا اور تھی جو کچھ وہ ہو چکی

خواب آور ہو نہیں سکتا بیانِ عاشقاں — ہے اگر افسانہ گو مجنوں تو لیلےٰ سو چکی

خوانِ الوانِ فلک سے کم کر اکبر اب اُمید — صبر کر نانِ جویں پر تیری باری ہو چکی

٩١٢ شگفتہ کس قدر رسیلا ہے کتنی مست جوہی ہے — ترا ہی رنگ ہے گلشن میں خوشبوؤں میں تو ہی ہے

خدا کے شوق کا جن پر اثر ہو دیدنی وہ ہیں — خدا کے نام کی ہم ہیں تو خالی گفتگو ہی ہے

دل اپنا دوست ہو کر جب دکھاتا ہے غلط راہیں — تو اُن کی آنکھ کو میں کیا کہوں وہ تو عدو ہی ہے

٩١٣ اکبر تم اگر شرک خفی پر بھی ہنسو گے — سب تم سے الگ ہوں گے مصیبت میں پھنسو گے

٩١٤ حواس غرق حیرت کو مجال گفتگو کیا ہے — میں کہتا ہوں نہیں ہوں وہ ہی کہتا ہے تو کیا ہے

٩١٥ کوئی ہنس رہا ہے کوئی رو رہا ہے — کوئی پا رہا ہے کوئی کھو رہا ہے

کوئی تاک میں ہے کسی کو ہے غفلت — کوئی جاگتا ہے کوئی سو رہا ہے

کہیں ناامیدی نے بجلی گرائی — کوئی بیج امید کے بو رہا ہے

اسی سوچ میں میں تو رہتا ہوں اکبر — یہ کیا ہو رہا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے

۹۱۶ دل تو ہے پاس مرے عقل پہ قابو نہ سہی
شہرتِ قیس تو حاصل ہے ارسطو نہ سہی

۹۱۷ اللہ کی تلاش جو ہو کھو بھی جائیے
جو کہہ رہے ہیں آپ یہی ہو بھی جائیے
بیداری حواس ہے ظلمت کدے میں بار
افسانہ سُن لیا ہے تو اب سو بھی جائیے

۹۱۸ اے چرخ مجھے دیر سے اکراہ کہاں ہے
لیکن بتِ خود بیں کی طرف راہ کہاں ہے
اسلام کے دعوے سے میں باز آتا ہوں صاحب
یہ کون بتائے تمھیں اللہ کہاں ہے
سروس میں یاں داخل نہیں۔ ہوں قوم کا خادم
چندوں کی فقط آس ہے تنخواہ کہاں ہے

۹۱۹ فسانے رہ گئے وہ ہیں نہ اُن کا جاہ باقی ہے
وہی دُنیائے فانی ہے وہی اللہ باقی ہے
مجھے دشوار ہے ان غافلوں کا ہم نوا ہونا
مرے سینے میں جب تک یہ دلِ آگاہ باقی ہے

۹۲۰ وہ قبلہ رو ہیں جنھیں رو براہ ہونا ہے
بہک گئے ہیں وہ جن کو تباہ ہونا ہے
جو آج ساکت و خائف ہیں ساتھ طاعت کے
انھیں کو حشر میں سب پر گواہ ہونا ہے

۹۲۱ خرد نے ذہن کی حالت تباہ پائی ہے
خدا کے نام میں دل نے پناہ پائی ہے
رہا نہ ہوش میں تقویٰ جدھر اُٹھیں آنکھیں
بتِ حسیں نے غضب کی نگاہ پائی ہے
یہ عشق ہی ہے کہ منزل ہے جس کی الا اللہ
خرد نے صرف رہ لا الہ پائی ہے

۹۲۲ وعظ الحاد کہو واہ نہیں ہے نہ سہی
تم سلامت رہو اللہ نہیں ہے نہ سہی
شبِ غفلت میں نہ ہو روزِ ازل کا پرتو
لمپ بجلی کا تو ہے ماہ نہیں ہے نہ سہی
ہے گدام آپ کا مسجد کی ضرورت کیا ہے
پیٹ تو ہے دل آگاہ نہیں ہے نہ سہی
ہے پرس پائے قلم کے لئے موجود اے دوست
سر کو سجدے سے اگر راہ نہیں ہے نہ سہی

۹۲۳ جس کے سینے میں دلِ آگاہ ہے
اُس کے لب پر اللہ ہی اللہ ہے
منزلِ قومی سے آتی ہے صدا
جو نہیں ہے قبلہ رو گمراہ ہے

ساری دنیا کو جو چھوڑے بہر حق — ساری دنیا میں اسی کی واہ ہے
لا الٰہ آسان ہے سائنس میں — فلسفے میں مشکل الا اللہ ہے
قبر پر کر اک تعمق کی نظر — بحرِ ہستی کی یہیں پر تھاہ ہے
دورِ قرآن و تجارت ہو چکا — اب زمینداری ہے یا تنخواہ ہے ٩٢٤

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی — اب ہے شمعِ انجمن پہلے چراغِ خانہ تھی

قدمِ شوق بڑھے راہ ملے یا نہ ملے — ماسوا ترک کر اللہ ملے یا نہ ملے ٩٢٥

جلائے جب شعلۂ تحیّر تو ذہن ڈھونڈے پناہ کس کی — یہ کس کے معنے ہوئے ہیں ثابت یہ صورتیں ہیں گواہ کس کی ٩٢٦
یہ چشمِ لیلیٰ کہاں سے آئی یہ قلبِ مجنوں کہاں سے ابھرا — جو با خبر ہیں انھیں خبر ہے نگاہ کس کی ہے آہ کس کی
جمالِ فطرت کے لاکھ پردے تو قبول پرتو کی لاکھ شکلیں — طریقِ عرفاں میں کیا بتاؤں یہ راہ کس کی وہ راہ کس کی
یہ کس کے عشووں کا سامنا ہے کہ لذتِ ہوش ہو گئی گم — خودی سے کچھ ہو چلا ہوں غافل پڑی ہے مجھ پر نگاہ کس کی

قدم رکھتا ہے وہ اس میں جسے جو راہ ملتی ہے — صداقت ہو تو ہر سو دادِ خاطر خواہ ملتی ہے ٩٢٧

زباں ساکت ہے خوفِ سامعِ بدخواہ سے — دل یہ کہتا ہے ملے گی چپ کی داد اللہ سے ٩٢٨

اب کہاں وہ راحتِ دلخواہ اٹھتے بیٹھتے — کر لیا کرتے ہیں یا اللہ اٹھتے بیٹھتے ٩٢٩

ابتدا میں غفلتوں پر واہ ہے — انتہا میں اللہ ہی اللہ ہے ٩٣٠

محوِ کار اس بزم میں ہر شمع ہر پروانہ ہے — حسرت اس پر ہے جو صرف قصہ و افسانہ ہے ٩٣١

ہیں مست اس مزے میں جو ہم نے چکھ لیا ہے — صراف کی نظر نے ہم کو پرکھ لیا ہے ٩٣٢
اغیار کے عمل کو ہوں گے کچھ اور میداں — ہم کو تو اب فلک نے کالج پہ رکھ لیا ہے

دل میں تو ضعفِ عقیدت کو کبھی راہ نہ دے — کوئی کچھ دے نہیں سکتا اگر اللہ نہ دے ٩٣٣

شاعر جو ملازم ہو اکبر ذوقافیتین اس کا ہے لقب — پوچھو گے کیوں؟ توضیح سنو تنخواہ بھی ہے اور واہ بھی ہے ٩٣٤

۹۳۵ میں تو کہتا ہوں کہ یارو اللہ ہی اللہ ہے — منکروں کو اس صدا سے صدمۂ جانکاہ ہے
وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ہیں اللہ کے سوا — ماسوا کی فکر سے پھر کیوں تجھے اکراہ ہے
بات ٹالی میں نے یہ کہکر کہ وقتِ احتیاج — میرا مسلک بھی وہی ہے جو تمھاری راہ ہے

۹۳۶ نہیں وقوعِ حوادث میں کچھ یہاں غلطی — یہ بات یونہی ہے جو تیرے دل میں ہو کہہ لے

۹۳۷ ہزار بار جو وقتِ گذشتہ پھر آئے — ہزار بار وہی ہو جو ہو چکا پہلے
خدا کی یاد ہے طاقت ہماری — مصلّٰے ہے ہمارا تختِ شاہی
ہماری فوج ہے اخلاقِ حسنہ — ہمارا حصن ہے ترکِ مناہی
بلند اپنی نظر ہے فضلِ حق سے — کرے گی کیا کسی کی کم نگاہی

۹۳۸ اس کا پسیجنا ہے اور اس کے ہیں بھبلے — یورپ نے ایشیا کو انجن یہ رکھ لیا ہے
اس خوانِ مغربی سے بچتا ہے کون لیکن — حضرت نگل رہے ہیں بندے نے چکھ لیا ہے

۹۳۹ ہے ہوائے چمن ادھر انھیں کے رخ پر — ان کے کھلنے کے یہ دن ہیں مرے مرجھانے کے

۹۴۰ آپ کے عارض کے آگے کیا جمے گا اس کا رنگ — گل جو گلشن میں سنورتا ہے سنورنے دیجئے
ہو چکا بسمل۔ کہاں تک آفریں ہر وار پر — واہ کی طاقت نہیں اب مجھکو مرنے دیجئے

۹۴۱ جی رہا ہوں میں فقط اب انتظارِ مرگ میں — سانس لینا رہ گیا ہے جان دینے کے لئے

۹۴۲ عبث اظہارِ خودی میں سب یہ مستی میری — وقت کے ساتھ اڑی جاتی ہے ہستی میری
خس و خاشاک بھی ہو جاتے ہیں شعلے سے بلند — سوزِ باطن کے نہ ہونے سے ہے پستی میری

۹۴۳ حریفوں کے لئے ہنگامۂ مشقِ توافی ہے — یہاں انشائے دل کو آہ کا مصرعہ بھی کافی ہے
کہا جب میں ہوں بیمار تیری چشمِ فتاں کا — بتِ طناز نے ہنسکر کہا اللہ شافی ہے

۹۴۴ ان آنکھوں نے بہت نیرنگیاں فطرت کی دیکھی ہیں — مرے دل نے بہاریں عالمِ حیرت کی دیکھی ہیں

خود ناتوان و مضطر اور وں کے رنگ پھیکے — کر رکھیں کیا کسی کو کیا ہو رہیں کسی کے ۹۴۵

غم و شادی کی نیرنگی دلیل خود پرستی ہے — وہی دل خوب ہے جس کو فقط ہستی کی مستی ہے ۹۴۶

وجد میں آئے حیرتوں میں رہے — عجز کے ساتھ لب کشائی کی ۹۴۷

بندگی کا صلا سے ملے نہ ملے — داد دے دی مگر خدائی کی

ہر قدم کہتا ہے تو آیا ہے جانے کے لئے — منزل ہستی نہیں ہے دل لگانے کے لئے ۹۴۸

کیا مجھے خوش آئے یہ حیرت سرائے بے ثبات — ہوش اڑنے کے لئے ہے جان جانے کے لئے

دل نے دیکھا ہے بساطِ قوتِ ادراک کو — کیا بڑھے اس بزم میں آنکھیں اٹھانے کے لئے

خوب امیدیں بندھیں لیکن ہوئیں حرماں نصیب — بدلیاں اٹھیں مگر بجلی گرانے کے لئے

سانس کی ترکیب پر مٹی کو پیار آ ہی گیا — خود ہوئی قید اس کو سینے سے لگانے کے لئے

جب کہا میں نے بھلا دو غیر کو ہنس کر کہا — یاد پھر مجھ کو دلانا بھول جانے کے لئے

دیدہ بازی وہ کہاں آنکھیں رہا کرتی ہیں بند — جان ہی باقی نہیں اب دل لگانے کے لئے

مجھ کو خوش آئی ہے مستی شیخ جی کو فربہی — میں ہوں پینے کے لئے اور وہ ہیں کھانے کے لئے

اللہ اللہ کے سوا آخر رہا کچھ بھی نہ یاد — جو کیا تھا یاد سب تھا بھول جانے کے لئے

سر کہاں کے ساز کیسا کیسی بزم سامعیں — جوش دل کافی ہے اکبرؔ تان اڑانے کے لئے

انتساب ایسے کمالوں کا شکم سے چاہیئے — جنکو تم حاصل کرو روٹی کمانے کے لئے

ٹپکتے ہیں وہ مضمون جنوں ناسیرے خامے سے — کہ اکثر ہوش ہو جاتا ہے باہر اپنے جامے سے ۹۴۹

نہ تعلق ہے کسی سے نہ شناسائی ہے — انجمن میں ہوں مگر عالمِ تنہائی ہے ۹۵۰

حسنِ بت یہ ہے تو اب یادِ خدا کی نہیں خیر — یہ ادا ہے تو نمازوں کی قضا آئی ہے

محوِ حیرت وہ ہے اس پر ہے خموشی کی بہار — آنکھ نرگس کی ہے سوسن نے زباں پائی ہے

طلب عشق کا اک جوش ہے فطرت سے عیاں　　جس طرف دیکھئے طوفان خود آرائی ہے
عشوۂ دہر سے ہیں مست بدن میں جانیں　　کم ہیں جو سوچ رہی ہیں کہ قضا آئی ہے

۹۵۱ یہ مصیبت ناتوان دل نے کبھی دیکھی نہ تھی　　پہلے بھی تکلیف اس کو تھی مگر ایسی نہ تھی
بے حواسی میں ہیں کچھ سمجھا نہیں اے ہم نشیں　　کیا دل پر غم مرا تڑپا تھا یا بجلی نہ تھی
فلسفی کی بات بھی میں نے سنی واعظ کی بھی　　جانب حق رہ نما وہ بھی نہ تھی یہ بھی نہ تھی

۹۵۲ مری دنیا جو تھی وہ ہو چکی کل اک کہانی تھی　　کوئی کہتا ہے فانی ہے میں کہتا ہوں کہ فانی تھی

۹۵۳ عدو کی کید ہو حامی تو بے کسی اودلے　　جو وصل ذوق شکن ہو فراق ہی اودلے
رقیب سرٹیفکٹ دیں تو عشق ہو تسلیم　　یہی ہے عشق تو اب ترک عاشقی اودلے
خدا ہی سے ہو امید اور وہ بھی عقبیٰ میں　　یہی ہے خوب۔ مناسب یہی۔ یہی اودلے
نظام مدعی رہبری کو دیکھ اکبر　　مری نظر میں تو یہ تیری ابتری اودلے

۹۵۴ مذہب کے یہ مباحث نکلے ہیں ہسٹری سے　　ان کو ہے کیا تعلق وحدت کی مسٹری سے

۹۵۵ رہ مقصود میں ہم بھی کبھی انجن چلاتے تھے　　مگر پتھر کے کولوں کے عوض بت جھونکے جاتے تھے

۹۵۶ اگر بستہ خلوص دل سے حاضر رہ۔ تری خدمت　　کسی دن مستحق الطاف سلطانی کی ٹھہرے گی
ذرا سیر بہار عالم فانی کی ٹھہرے گی　　نشاط افزا ہے منزل کچھ نشے پانی کی ٹھہرے گی

۹۵۷ حجاب تمکنت کو دور کرنا ہے زبیدہ سے　　سوا اس کے جو باتیں ہیں فقط اک پردہ پوشی ہے

۹۵۸ اب میری زندگی میں نہیں نور انبساط　　یہ شمع جل رہی ہے مگر ہے بجھی ہوئی
جس پر پڑے گی سخت مصیبت نئے زمانے میں　　جو کچھ کہے گا ہو گی ہماری کہی ہوئی
سب کو فنا خدا کو بقا بات حق یہ ہے　　میں کیا کہوں گا ہے یہ خدا کی کہی ہوئی
مرنے میں اس خیال سے تسکین ہے بہت　　لی میری جاں اسی نے کہ تھی جس کی دی ہوئی

میری نگاہ شوق بڑی خوش ہوئے یہ بت — اک چیز مفت مل گئی اُن کو پڑی ہوئی

مٹ گئے ہیں مگر اک نقش ابھی باقی ہے — آنکھ مایوس ہے شوریدہ سری باقی ہے ۹۵۹
آنکھ سے نور گیا دل سے گیا صبر و قرار — جان بھی جسم سے رخصت ہو یہی باقی ہے
ان مصائب میں بھی مایوس نہیں ہوں اکبر — قید ہستی سے رہائی کی خوشی باقی ہے

فغان و آہ کی لذت جو دل ملے تو ملے — نشان نکہتِ گل جب کلی کھلے تو ملے ۹۶۰
وہ باغ حسن ہیں لیکن ہے بند غنچۂ لب — مزا چمن کا اگر یہ کلی کھلے تو ملے
ہوئی جو صلح تو اب احتیاط یہ کیسی — تکلفات کو تہ کیجئے گلے تو ملے
میں شکوہ کرتا تھا اس وجہ سے نہ ملتے تھے — جو ترک کر دیئے میں نے وہ سب گلے تو ملے
کھچا رہا ہے تو زخموں کو اپنے اے اکبر — پر اس کا لطف کوئی زخم اگر چھلے تو ملے

زبانیں بحث میں الجھی ہیں حیرت دل پہ چھائی ہے — حدیثوں میں مذاہب ہیں حوادث میں خدائی ہے ۹۶۱

شکل اطمینان کم اس عالم فانی میں ہے — کامیابی بھی جہاں ہے اک پریشانی میں ہے ۹۶۲
دولتِ دنیا کی کیا لذت ہے اہلِ جوہر کو — ساری قوت صرف جب اس کی نگہبانی میں ہے
حضرت اکبر کو مشکل ہے بیانِ حالِ دل — گو یہ سنتا ہوں کمال اُن کو سخندانی میں ہے

ہند میں تو مذہبی حالت ہے اب ناگفتہ بہ — مولوی کی مولوی سے روبکاری ہو گئی ۹۶۳
اک ڈنر میں کھا گیا اتنا کہ نکلی تن سے جان — خدمت قومی میں بارے جاں نثاری ہو گئی
اپنے میلانِ طبیعت پر جو کی میں نے نظر — آپ ہی اپنی مجھے بے اعتباری ہو گئی

نجد میں بھی مغربی تعلیم جاری ہو گئی — لیلیٰ و مجنوں میں آخر فوجداری ہو گئی ۹۶۴
ساز عیش مغربی کی دل نوازی کچھ نہ پوچھ — میں نے جس مس کو یہاں چھیڑا ستاری ہو گئی

اس انجمن میں آ کر راحت نصیب کس کو — پروانہ بھی جلے گا اور شمع بھی جلے گی ۹۶۵

دنیا اُبھارتی ہے آج اپنے عاشقوں کو — مر جائیں گے تو ان کا کل نام بھی نہ لے گی
دنیا کی آرزو سے خالق بچائے دل کو — پیدا ہوئی تو پی کر خون جگر پلے گی
عبرت زدہ جو دل ہو ارمان اس میں کیسے — بجلی گری ہو جس پہ وہ شاخ کیا پھلے گی
جنت بنا سکے گا ہرگز کوئی نہ اُس کو — دنیا یونہی چلی ہے اکبر یونہی چلے گی

۹۶۶ بس عشق و وفا ہی کی مرے دل میں ٹھنی ہے — ناصح کی میں سنتا نہیں ہوں جو شدنی ہے
پردے نے میاں ہم کو بنا رکھا ہے اب تک — بگڑی ہوئی حالت ہے مگر بات بنی ہے

۹۶۷ ہے زندگی اُسی کی فخر جہان ثانی — جس نے فنا کو سمجھا مرنے کی قدر جانی
طوفان جوش دل کی آنسو میں اک جھلک ہے — موتی میں کیا دھرا ہے بس ایک بوند پانی
ہستی آخرت سے امید ہے بہت کچھ — بہتر کشد ز اول نقاش نقش ثانی
رکھی رہی نصیحت نافذ ہوئی مشیت — کس نے سُنی کسی کی اور کس نے کس کی مانی

۹۶۸ جہاں تک اپنے لئے ہو وہ میں کی مستی ہے — جو کچھ خدا کے لئے ہو وہ اصل ہستی ہے
نہیں ہے نشۂ وحدت میں خوف زلف بتاں — جو ہوش میں ہیں یہ ظالم انھیں کو ڈستی ہے
نہ بھول شہر خموشی کا نقشہ اے کالج — خیال رکھ کہ یہی ہسٹری کی بستی ہے
بتوں کو مجھ سے توقع ہے مدح کی اکبر — یہ سن لیا ہے کہ اُردو زبان سستی ہے

۹۶۹ نہایت فکر گو مذہب کو ہے خوش انتظامی کی — نہیں ہے موت کو پروا کچھ اپنی نیک نامی کی
طلب تحسین کی کیوں تجھ کو ہے بزم حریفاں سے — سر در طبع خود ہے داد تیری خوش کلامی کی
تمھارا انتظام دل اگر روشن نہیں اکبر — تو میتوں کو نہ چمکائیں گی ترکیبیں نظامی کی

۹۷۰ اللہ اللہ کتنی نازک وہ نکیلی ہو گئی — نام ہی بوسے کا سُن کر نیلی پیلی ہو گئی
سایۂ مغرب میں شوق دل نے پھیلائے تو پاؤں — چار ہی دن میں مگر پتلون ڈھیلی ہو گئی

۹۷۱ جماعت منتشر ہو۔ فطرتی مجلس تو باقی ہے — زبانیں بند کر دو دل کے اندر حسِ تو باقی ہے
اسی کا رنگ حسرت دیکھ کر بہلائیں گے دل کو — چمن سے گل اگر رخصت ہوا نرگس تو باقی ہے
یہ مصرعہ قافیے ہی کے لئے ہے خوب اے اکبر — جو اُجڑا لکھنؤ کچھ غم نہیں پیرس تو باقی ہے

۹۷۲ ملانا خاک میں فطرت جب اپنی دل لگی سمجھے — تعجب ہے کہ تو اس زندگی کو زندگی سمجھے

۹۷۳ یہ عجب عمل ہے عجب اثر یہ عجیب نقش ابھر گئے — جو لچے بہت تو بچے ذرا جو کھری کہی تو دھرے گئے
تری بزم اکبر خوش بیاں ہے محلِ فرحتِ دوستاں — جو ملول آئے وہ خوش گئے جو فسردہ آئے ہرے گئے

۹۷۴ قومی ترقیوں کی زمانے میں دھوم ہے — مردانے سے زیادہ زنانے میں دھوم ہے

۹۷۵ تیزیاں کرتے ہیں قانون بدلنے والے — زحمتیں سہتے ہیں قانون پہ چلنے والے

۹۷۶ ادھر فریادِ بلبل ہے کہ یہ سب رنگ فانی ہیں — ادھر رونا ہے شبنم کا کہ گل کی یہ ہنسی کیسی
کبھی خوانِ فلک سے کوئی نعمت میں نے چکھی تھی — مگر یہ بھی نہیں یاد اب کہ لذت اس کی تھی کیسی
تماشائے جہاں اے بے خبر تجھ کو مبارک ہو — یہاں دل داغِ حسرت سے بھرا ہے دل لگی کیسی
جہاں گھر تھا وہاں قبریں جہاں دل تھا وہاں شعلے — یہ ماتم خیز منظر سامنے ہے خوش دلی کیسی
گلِ مضموں سے اکبر رنگِ خونِ دل ٹپکتا ہے — تری حالت یہ کیا ہے یہ غزل تو نے کہی کیسی

۹۷۷ نہ سہی لطفِ بزم گپ ہی سہی — شیخ صاحب مہنت جی ہی سہی
زندگی کو ضرور ہے اک شغل — خیر بالفعل لیڈری ہی سہی

۹۷۸ دین آخرت کا واعظ دنیا ہوس کی بانی — جھگڑے میں پڑ گئی ہے انساں کی زندگانی
الفاظ سے نہیں ہے تسکین اس کے دل کو — اکبر پہ رحم فرما اے خالقِ معانی

۹۷۹ قصیدے سے نہ چلتا ہے نہ یہ دوہے سے چلتا ہے — سمجھ لو خوب کارِ سلطنت لوہے سے چلتا ہے

۹۸۰ کبر بھی شرک ہی کی مستی ہے — خود پرستی بھی بت پرستی ہے

٩٨١ بھنڈارے دیدوں گا بہ خوشی سیدھا جو گروجی مانگیں گے ۔۔۔ ہاں کام ذرا ٹیڑھا ہوگا بسکٹ کبھو جو سوجی مانگیں گے

٩٨٢ مشتاق نہیں زندگی کے ۔۔۔ مرنا ہے تو کیا کریں گے جی کے
پائی نہ کسی میں بو وفا کی ۔۔۔ چاہا تھا کہ ہو رہیں کسی کے
توحید کا مسئلہ ہے اصلی ۔۔۔ باقی ہیں شگوفے ہسٹری کے
رندی کس کام کی یہ اکبر ۔۔۔ ملتے نہیں جب کسی سے پی کے

٩٨٣ گل ہوا چاہتی ہے شمع حیات ۔۔۔ اب خدا ہی سے لو لگائی ہے

٩٨٤ تعارف باہمی مخلوق کا تاریک ناقص ہے ۔۔۔ خدا ہی کو ہے پوری آگہی ہر اپنے بندے سے

٩٨٥ صرف اللہ ہی کی یاد میں مستی اچھی ۔۔۔ خود پرستی سے مگر گور پرستی اچھی

٩٨٦ دامن گل پھیل کر اس باغ سے کیا لے گئے ۔۔۔ ہو گئے نذرِ خزاں اور داغ حسرت دے گئے
مردوں پر روتے نہیں روتے ہیں اپنے حال پر ۔۔۔ "رہ گیوں" پر ہے مصیبت جو گئے اچھے گئے

٩٨٧ صورتِ فانی سے آخر کیوں نہ پہچانے گئے ۔۔۔ مجھ کو حیرت ہے کہ یہ بت کیوں خدا مانے گئے
بزمِ دنیا میں فقط صورت پرستی رہ گئی ۔۔۔ وہ جمالِ شاہدِ معنے کے دیوانے گئے
اک زمانے میں یہ خواہش تھی کہ جانیں ہم کو لوگ ۔۔۔ اب یہ رونا ہے کہ ہم کیوں اس قدر جانے گئے
بوسے چپراسی جو میں پہونچا بامید سلام ۔۔۔ پھانکئے خاک آپ بھی صاحب ہوا کھانے گئے
مجھ میں اظہارِ محبت اُن میں اظہار کمال ۔۔۔ میں وہاں رونے گیا اور وہ کہیں گانے گئے

٩٨٨ کامیابی ہو گئی تو بے وقوفی پر بھی ناز ۔۔۔ اور جو ناکامی ہوئی تو عقل بھی شرمندہ ہے

٩٨٩ شیخ صاحب آپ کو شیریں مقالی چاہیے ۔۔۔ وعظ الفت چاہیے اور خوش خیالی چاہیے
طعن میں غمزے میں بدخوئی میں نہیں ہے بہتری ۔۔۔ مدعی نورِ حق کا ظرف عالی چاہیے

٩٩٠ تنہائی میں دل گھبراتا ہے صحبت میں لڑائی ہوتی ہے ۔۔۔ دنیا کی روش کوئی سی بھی ہو کچھ اس میں برائی ہوتی ہے

پرستش اُس بتِ عیّار کی کس کو خوش آتی ہے — کوئی کیا شوق سے کرتا ہے مجبوری کراتی ہے ۹۹۱

ہمارے ذہن کو اس مصرعِ اکبر پہ مستی ہے — خوش اخلاقی عبادت ہے خوشامد بُت پرستی ہے ۹۹۲

چپکا کھڑا ہوں اپنی تباہی کے سامنے — کہنا جو ہے کہوں گا خدا ہی کے سامنے ۹۹۳
ہوں ہر نفس میں اپنے خدا ہی کے سامنے — کیسی دلیل دل کی گواہی کے سامنے

میں کسی بات کا نہیں خوگر — صرف عادت ہے سانس لینے کی ۹۹۴

اُن کو بسکٹ کے لئے سوجی کی تھیلی مل گئی — کیمپ میں غل مچ گیا مجنوں کو لیلی مل گئی ۹۹۵

پڑے ہیں بسترِ غم پر نہ دانا ہے نہ پانی ہے — نظر تک اُٹھ نہیں سکتی یہ زورِ ناتوانی ہے ۹۹۶
چمن کا رنگ جوشِ موسمِ گل میں معاذ اللہ — خدا حافظ نگاہوں کا حسینوں کی جوانی ہے

قدر دانِ طرز و وضعِ عہدِ شاہی کون ہے — لاکھ تنئے آپ کو اب پوچھتا ہی کون ہے ۹۹۷
اب میں چندے میں یہ عزت بھی کروں گا نذرِ قوم — ستر کیسا میری جانب دیکھتا ہی کون ہے
لیڈروں کی دھوم ہے اور فالور کوئی نہیں — سب تو جنرل ہیں یہاں آخر سپاہی کون ہے

ان سے بوسا مانگتا ہوں ان سے ووٹ — بت بھی مجھ سے تنگ ہیں اور شیخ بھی ۹۹۸

تھے معزز شخص لیکن اُن کی لائف کیا لکھوں — گفتنی درجِ گزٹ باقی جو ہے ناگفتنی ۹۹۹

نفس سے بچنے کی انساں چارہ جوئی کیا کرے — فطرتی رہبر یہی ہے اس کو کوئی کیا کرے ۱۰۰۰

کاہلی کرنے کی فرصت مل ہی جاتی ہے مجھے — رشک آتا ہے عدیم الفرصتی پر وقت کی ۱۰۰۱

گردوں نے ملایا خاک میں بلبل و غم نے بھی گھیرا غفلت کو — با این ہمہ اکثر اہلِ جہاں کچھ روز تنے اور خوش بھی رہے ۱۰۰۲
صیاد ہنر دکھلائے اگر تعلیم سے سب کچھ ممکن ہے — بلبل کے لئے کیا مشکل ہے اُلّو بھی بنے اور خوش بھی رہے

شکم سے حضرتِ انساں نجات پا نہ سکے — اب اپنے پیٹ میں ہیں پہلے ماں کے پیٹ میں تھے ۱۰۰۳

عالمِ وحدت میں کثرت رنگ دکھلانے لگی — ہوش کے ٹکڑوں میں میں میں کی صدا آنے لگی ۱۰۰۴

۱۰۰۵ حضرتِ اکبر نے فرمایا یہ خوب　　داد کے قابل ہے یہ فرزانگی
عذر ہم کو کچھ غلامی میں نہیں　　ہے فقط تکلیف دہ بیگانگی

۱۰۰۶ موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی　　جا کے گنگا پہ کہا کرتا ہوں جے مائی کی

۱۰۰۷ آنکھیں ساقی کی تھیں رسیلی　　اب تک میں بچا تھا آج پی لی
پھاڑے مغرب نقابِ نسواں　　مشرق نے تو آنکھ اپنی سی لی

۱۰۰۸ بولی فطرت دل و زباں دیکھو　　یہ ہمارا ہے وہ تمھاری ہے
ذمہ داریٔ پیشِ خلق اس پر　　اس کا شاہد جنابِ باری ہے

۱۰۰۹ اب ہے ساون کا سماں اور مہِ جولائی ہے　　یہ ہوا خوب کہ بیلے کی بھی بو آئی ہے

۱۰۱۰ قوتِ ایماں سے کہہ دو سب کو سمجھاتی رہی　　نیکیاں کثرت سے ہوں مغلوبیت جاتی رہی

۱۰۱۱ ہم سے چھن کر ہو گئی بزمِ ترقی کے سپرد　　سچ کہا مرزا نے اب اُردو بھی کورٹ ہو گئی

خوشامد ہے بیجا دنائت ہے چغلی　　دل و دیں کی بیشک تباہی یہی ہے
فسادات کے تم نہ حامی ہو ہرگز　　گورمنٹ کی خیر خواہی یہی ہے

۱۰۱۲ بہتر سمجھے ہو تم جو خاموشی کو　　یہ بھی نہ کہو کہ خامشی بہتر ہے

۱۰۱۳ غفلتوں کا خوب دیکھا ہے تماشا دہر میں　　مدتیں گذری ہیں مجھکو ہوش میں آئے ہوئے
خانۂ دل کو مرے توڑا تو کیا ایسی نمود　　چشم بد دور آپ تو ہیں مسجدیں ڈھائے ہوئے
سیٹھ صاحب کے یہاں شادی ہے رندوں کو نوید　　اچھے اچھے طائفے ہیں شہر میں آئے ہوئے
بائی جی نے سچ کہا لاؤ کوئی تازہ غزل　　گیت کیا گاؤں گراموفون میں گائے ہوئے
ہو چکی دو دن کی شادابی اُڑا رنگِ بہار　　پھول ہیں سوکھے ہوئے غنچے ہیں مرجھائے ہوئے

۱۰۱۴ شیروں نے شتر بن کے اُٹھایا ہے اُن کا بار　　بکری بنے ہوئے ہیں طرف دار گائے کے

فاتح کے سامنے نہیں رہتے تعصبات — آخر مطیع ہوتے ہیں سب اُس کی رائے کے
اچھے وہی جو شوقِ الٰہی میں محو ہیں — تم کر ہی کیا رہے ہو بجز ہائے ہائے کے

ہمیں خدا کے لئے ہیں بیشک خدا ہمارے لئے نہیں ہے — قضا پہ راضی ہوں او جئیں ہم مفر ہی جب بے جئے نہیں ہے 1015
یہ طبع اکبر یہ رنگ اکبر یہ اُس کی باتیں یہ اُس کے نغمے — ادب کے قابل ہے اُس کی مستی شراب اگر وہ پئے نہیں ہے

اک مرض بن کر مسلط ہے بلائے زندگی — درد ہی سے ہوتی رہتی ہے دوائے زندگی 1016

دنیا کا دور رنگ تو دیکھو ایک ایک کو کھائے جاتا ہے — بن بن کے بگڑتا جاتا ہے اور بات بنائے جاتا ہے 1017
انسان کی غفلت کم نہ ہوئی قانونِ فنا کی عبرت سے — ہر گام پہ کٹتے پاؤں بھی ہیں اور سر بھی اٹھائے جاتا ہے
اس کو نہ خبر کچھ اُس کی ہے اُس کو ہے نہ کچھ پروا اس کی — روتا ہے رلائے جاتا ہے ہنستا ہے ہنسائے جاتا ہے
کچھ سوچ نہیں کچھ ہوش نہیں فتنوں کے سوا کچھ جوش نہیں — وہ لوٹ کے بھاگا جاتا ہے یہ آگ لگائے جاتا ہے

بہارِ بے بقا پر ناز کیسا اور خوشی کیسی — بجا ہے حیرتِ نرگس کہ گل کی یہ ہنسی کیسی 1018
خلافِ بیخودی کیوں ہے یہ وعظ حضرتِ واعظ — خودی ہی کو نہیں سمجھا ابھی تک بے خودی کیسی
نہ پوچھا قیس نے لیلیٰ سے کچھ مجھ کو بھی پوچھا تھا — جو آیا وہ اُس سے بس اتنا ہی پوچھا اُس سے تھی کیسی
خدا کے ساتھ ہونے کا یقیں مشکل سے آتا ہے — وگرنہ جب خدا ہی ساتھ ہو پھر بیکسی کیسی

جب "خوب کیا" کا کوئی موقع نہ نکالا — پھر کیا جو ہوئی دھوم فقط "خوب کہی" کی 1019

قرآن پڑھ کے میری تو قائم ہوئی یہ رائے — صرف دعا رہو نہ اہاہا نہ ہائے ہائے 1020
گردن کشی کریں گے عرب میں اب اونٹ بھی — اب تک تو ہند ہی میں بھڑکتی تھی مجھ سے گائے

اے فلک انگلش و جرمن ہوں مبارک تجھ کو — ہم کو تو اُردو و ہندی میں بسر کرنا ہے 1021

مذہب دبا ہوا نہ ہو فکرِ معاش سے — اندازۂ ترقیِ ملت اسی میں ہے 1022

جو حرا کے جاننے والے تھے صوفی ہو گئے — داستانِ بدر والے شیعہ سُنّی ہو گئے 1023

۵ مصنف خود ان قوافی کو بالکل ٹھیک نہیں سمجھتا

۱۰۲۴ شیرانِ شرق کا اُنھیں منظور ہے شکار — بھینسے بندھے ہوئے ہیں ترقی کے شوق کے

۱۰۲۵ مسٹر نقلی کو عقبیٰ میں سزا کیسی ملی — شرح اُس کی نامناسب ہے ملی جیسی ملی
اُس نے بھی لیکن ادب سے کر دیا یہ التماس — چارہ کیا تھا اے خدا تعلیم ہی ایسی ملی

قطعات

ابتدائے عالمِ ہستی میں میں بیہوش تھا ہوش جب آیا تو دل میں غفلتوں کا جوش تھا ۱۰۲۶
پھر مصائب اور فنا کے تجربے پیہم ہوئے بعد ازاں جب تک جیا مغموم تھا خاموش تھا

اک بحرِ بے کراں ہے حوادث کا سلسلہ اُلجھا جو ذہن اس میں وہ دیوانہ ہو گیا ۱۰۲۷
اُٹھے مؤرخین زمانے میں گم ہوئے افسانہ گو جو تھا وہ خود افسانہ ہو گیا

فنا کے سامنے ہم کیا ہماری ہستی کیا برائے نام مگر اک نشان پا ہی لیا ۱۰۲۸
ہوا جو ہم نفسِ قطرہ بن گئی دم بھر حباب نے بھی خودی کا مزا اُٹھا ہی لیا

ہوئی تدبیرِ کفر آمیز سے بدتر مری حالت بجا ہے مجھ کو اس تاریک باطن کا گلا کرنا ۱۰۲۹
پریشانی کو افعی کر دیا زلفوں کو سلجھا کر بلا کو سخت تر کرنا ہے اصلاحِ بلا کرنا

شوق اگر یہ ہے کہ ہوتی رہے صحبت پیدا بے تکلف نہ کیا کیجیے رغبت پیدا ۱۰۳۰
گھر میں احساسِ ضرورت ہو تو بازار کو جا کرنا بازار میں تو جا کے ضرورت پیدا

پیٹ سے دل نے کہا درجہ ہمارا ہے بڑا ساغرِ جمشید ہم ہیں تو ہے بنئے کا گھڑا ۱۰۳۱
پیٹ بولا اصطلاحیں تیری سب منسوخ ہیں ہم ہیں اب غربی گدام اور تو ہے شرقی جھونپڑا

تمکین اک نشان ہے عصمت کی آن کا پردا بس اک ظہور ہے عورت کی شان کا ۱۰۳۲
پردا تو اُن کا حق ہے نہیں اُن پہ جبر کچھ آیا ہے اُن پہ وقت یہ سخت امتحان کا
شوخیِ مغربی کے خریدار ہیں بہت گاہک مگر خدا ہے حیا کی دُکان کا

یہ کہتے نہیں ہم کہ گردوں نے ہم کو مسلمان ہونے کا شائق نہ رکھا ۱۰۳۳

گر یہ کہ اوضاع دنیا نے ہم کو مسلمان رہنے کے لائق نہ رکھا

۱۰۳۴ انتظامی بات ہے یہ ہوتی آئی ہے یونہیں اس کا کیا شکوہ کہ اُن کو ہم پہ غالب کر دیا
ہاں یہ ہے افسوس ہم سے چھن گیا صبر و قرار طالب حق کو فلک نے اُن کا طالب کر دیا

۱۰۳۵ کہا بقراط سے دنیا میں کیوں آیا تو اے دانا کہا اُس نے کہ میں لایا گیا مجھ کو پڑا آنا
کہا کیونکر بسر کی عمر بولا ساتھ حیرت کے کہا کیا جانا بولا کچھ نہیں جانا یہی جانا

مرگ ہاشم سنہ ۱۹۱۳ء

۱۰۳۶ اک زمانہ تھا کہ مجھ کو اپنے دل پر ناز تھا ہر مصیبت میں وہ میرا مونس و دمساز تھا
بزم ہستی میں کدورت سے رہا کرتا تھا پاک گو حوادث کے لئے اک فرش پا انداز تھا
میرے ہر اندیشۂ مضطر کا تھا وہ غمگسار ہر نفس میرے لئے وہ گوش بر آواز تھا
انقلاب دہر سے بے اعتنائی تھی اُسے اُس میں حیرت آفرینی تھی تو یہ طناز تھا
پیش آیا ناگہاں وہ اک فراق روح سوز برق بیتابی بنا جو صبر میں ممتاز تھا
اب وہی آرام جاں اک زخم پہلو ہو گیا کیا یہی وہ دل ہے اکبرؔ مجھ کو جس پر ناز تھا
ہاں وہی دل ہے کہے گا تجھ سے اک نباض سے تیرا صدمہ خوبی انجام کا آغاز تھا

فریاد مجنونانہ

۱۰۳۷ جس سے میری زندگی تھی مر گیا۔ کیوں مر سکا چرخ نے یارب ستم مجھ پر کیا کیوں کر سکا
واقعات جانگزا کا کیوں ہوا ایسا وقوع کیوں نہ میری آہ سے قانون فطرت ڈر سکا

۱۰۳۸ بھلا سائنس کیا سمجھے نزاکت شوق عاشق کی کہاں فوٹو سے وہ نکلا جو میرے دل میں ارماں تھا

لیا فوٹو نے زندہ عکس لیکن چشم بیجاں میں — ہماری آنکھ میں گو حس تھا لیکن عکس بیجاں تھا

۱۰۳۹ کریں کوشش مگر اس وقت میری رائے میں اکبر — مناسب شیوہ ہے صبر و یکسوئی و تقوی کا

۱۰۴۰ صبح کو کہتا ہوں دیکھوں کس طرح کٹتا ہے دن — شام اُسے ایسا بھلا دیتی ہے گویا کچھ نہ تھا
عمر یوں ہی کٹ گئی آخر ہوا معلوم یہ — عرصۂ ہستی بجز امروز و فردا کچھ نہ تھا

۱۰۴۱ اکبر کی خرافات سے ناخوش ہوئے ایسے — نامہ ہے نہ پیغام نہ حصّہ ہے نہ بخرا
مانا کہ حسینوں کے لئے ناز ہے لازم — لیکن کوئی پوچھے تو کہ پاگل سے بھی نخرا

۱۰۴۲ کالج میں ہو چکا جب یہ امتحاں ہمارا — سیکھا زباں نے کہنا ہندوستاں ہمارا
رقیب کو کم سمجھ کر اکبر یہ بول اُٹھے — ہندوستان کیسا سارا جہاں ہمارا
لیکن یہ سب غلط ہے کہنا یہی ہے لازم — جو کچھ ہے سب خدا کا وہم و گماں ہمارا

۱۰۴۳ کل واقعاتِ دہر کہاں ہسٹری میں ہیں — فوٹو ہے صرف سطحِ پیشِ نگاہ کا
وہ بھی فقط خیال مصنف بقید خود — کیا بن سکے چراغ صداقت کی راہ کا

۱۰۴۴ اس طرف تو نے ہسٹری رٹ لی — اُس طرف جا کے فلسفہ پھانکا
لیکن اکبر خیال عقبیٰ سے — نار و جنت کو بھی کبھی جھانکا

۱۰۴۵ غرور توڑ کے منطق کو سست کر دے گا — زمانہ آپ ہی اُس کو درست کر دے گا
بلا پہ صبر کرو تم خدا خدا میں رہو — خدا ہی صبر کی ہمّت کو چست کر دے گا

۱۰۴۶ صد حیف کہ ماہِ رمضاں ختم ہوا آج — پھر رات کو عالم ہے وہی بے خبری کا
اٹھتے تھے سحر کھانے کو اور جلتی تھیں شمعیں — افسوس گیا نور چراغِ سحری کا

۱۰۴۷ میری طرف سے سارا جہاں بدگماں ہے اب — آزادیٔ کلام وہ مجھ میں کہاں ہے اب
رکھتی ہیں پھونک پھونک کے باتیں مری قدم — تیغ زباں نہیں ہے عصائے زباں ہے اب

۱۰۴۸ کتابوں ہی میں رہ جائے گی ساری تین پانچ ان کی | طریقے اس کے لیکن اور ہیں کہنے کی کیا حاجت
بتوں نے سچ کہا اس پشت میں خصلت ہے یہ شیخی | عقیدوں کی دوا کالج تعصب کی دوا حاجت

۱۰۴۹ طرح مغرب کو دیکھ کر جو کہے | باہمیں طرح ہا بباید ساخت
کہہ دے قرآن سے بھی وہ یہ بات | باہمیں شرح ہا بباید ساخت

۱۰۵۰ دیر دیر پر میں نے کی ڈنڈوت | بھری تھی مرے دل میں ٹھاکر کی پیت
کیا شور چیلوں نے یہ ہر طرف | مہاراج کی جے گروجی کی جیت

۱۰۵۱ کر لی ہے خوب میں نے نئی روشنی کی جانچ | مجھ سے بہت نہ کیجیے اب آپ تین پانچ
ان لیڈروں کی شعلہ زبانی سے کیا ہوا | ہانڈی تو سرد رہ گئی مذہب پہ آئی آنچ

۱۰۵۲ میں نے کہا یہ اپنے خیال خضر سے آج | بتلاؤ اس روش سے ترقی کی کیا اُمید
ہر گام پر جو طاعتِ حق سے الگ پڑا | ہوتے رہو گے مرکزِ قومی سے تم بعید
ہاں انتشار و جہل کی تکمیل ہوگی جب | ہو جاؤ گے بتانِ کلیسا کے تم مُرید
شاید کہ مدعا بھی تمہارا ہے بس یہی | ہر چند ابھی ہے درس کے پردے میں ناپدید
حیرت سے مجھ کو دیکھ کے اُس خضر نے پڑھا | حافظ کا اک یہ شعر جو معنی کو تھا مفید
سرِّ ازل کہ عارفِ سالک بہ کس نگفت | در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

۱۰۵۳ انور سے کہا میں نے کہ خاموش ہو کیوں تم | تقریر نہ تحریر نہ غصّہ نہ خوشامد
بابو کے نہ دمساز نہ یاروں کے ہم آواز | ماہی میں نہ ممتاز نہ اشتر میں سرآمد
کہنے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں ہے | کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

۱۰۵۴ اگر ہیں بھی باقی کچھ اب درد مند | تو بس پھینکتے ہیں وہ لفظی کمند
بہ یک لکچر آواز ہا بلند | بہ یک بزم مقدار چندہ دو چند

کہاں اب وہ دل اور وہ طبعِ بلند — جنھیں کہہ گئے سعدیِ ارجمند ۱۰۵۵
بیک نعرہ کوہ سے زجا برکنند — بہ یک نالہ ملکے بہم برزنند

اصلی غم و شادی کا نہیں قوم میں اب حس — چشمِ عقلا سے یہ بصیرت ہوئی مفقود ۱۰۵۶
پابند ہیں اُس کے رزولیوشن جو ہوا پاس — ہنسنے پہ بھی تیار ہیں رونے کو بھی موجود

بہ چشمش بود رنگ بے ثباتی — بہار آورد گلہا را - خزاں بُرد ۱۰۵۷
بہ عبرت زندگانی کرد اکسیر — براں زاد و براں بود و براں مُرد

خزاں سے جنگ کروں یہ نہیں مجھے سودا — ملول میں بھی ہوں لیکن ہے انتظارِ بہار ۱۰۵۸
نفیس تخمِ بنا رکھو اپنے عزموں کو — اور اُس کے بعد رہو تم امیدوارِ بہار

جینے والوں کی ترنگیں ہیں فقط پیشِ نظر — مرنے والوں کے مصائب کی بہت کم ہے خبر ۱۰۵۹
یہی باعث ہے کہ غفلت میں پھنسی ہے دنیا — لبِ خنداں کی ہے کثرت عوض دیدۂ تر

میں کیا کروں گا عزیزو یہ پارٹی لیکر — مزا تو جب ہے کہ آئے وہ پارٹی لیکر ۱۰۶۰
خموش ہو گیا بت کی طرح میں کونسل میں — برہمن اُٹھے جو اپنی مجارٹی لیکر

ملانے دیں گے مذاہب کبھی نہ ایسے سُر — کہ ہر طرف یہ سنو "یا اخی بیا و بخور" ۱۰۶۱
مخالفت سے نہ باز آئے گی دنی دنیا — فقط یہ زور سے دبتی ہے یاد رکھو یہ گُر
انھیں کی بھینس ہے بھائی کہ جن کی لاٹھی ہے — اُنھیں کا گاؤں ہے اکبر جو بن سکیں ٹھاکر
نجات کے لئے کافی ہے سینۂ صافی — پیادہ پائی پہ خوش رہ "اے الابل نظر"
مگر ز ملانے کی رونق ہے طفل طبعوں سے — اندھیری رات ہے اور پھلجھڑی کی ہے پھرپھر
اگرچہ نام خدا و رسول لیتے ہیں — دراصل جزوِ شکم ہے یہ مذہبی عنصر

طبع کا شغل ہو جو پولیٹکل — تو نہیں ختم وہ فسانۂ ہنوز ۱۰۶۲

فتنہ انگیز اختلافات میں ہے — اُس کے خرمن کا دانہ دانہ ہنوز
وہی اب تک ہے طاقتوں میں نفاق — وہی انداز حاسدانہ ہنوز
وہی سامان خانہ جنگی کے — وہی طرز معاندانہ ہنوز
ہے کھُلا حرصِ جنگ دنیا میں — نار و آہن کا کارخانہ ہنوز
خود فراموش خود فروش وہی — وہی سودائے تاجرانہ ہنوز
وہی پیسنس کی طلبگاری — وہی انکار کا بہانہ ہنوز
ہاں جو عرفان کھولدے درِ دل — ہے نظر میں وہی زمانہ ہنوز
وہی شوق اور وہی اثر موجود — وہی تیر اور وہی نشانہ ہنوز
دلِ حق بیں کو سلطنت کا سرور — وہی تسکین عابدانہ ہنوز
چشمِ مشتاق کا عروج وہی — اور وہی جوش عارفانہ ہنوز
وہی عہد الست پیش نظر — مستیٔ بادۂ شبانہ ہنوز
ہست مجلس کراں قرار کہ بود — ہست مطرب براں ترانہ ہنوز

۱۰۶۳ کچھ دل ایسے ہیں کہ ہے جن میں مضامین کا جوش — کچھ زبانیں ہیں دکھاتی ہیں جو تحسین کا جوش
ذوق طاعت کا مگر دل میں نہیں ہے پیدا — نہ زبانوں پہ دعائیں ہیں نہ آمین کا جوش

۱۰۶۴ لغزشیں مدِ ظرافت میں جو کچھ آئیں نظر — دوستوں سے التجا یہ ہے کریں اُس کو معاف
سرد موسم تھا ہوائیں چل رہی تھیں برف بار — شاہد معنی نے اوڑھا ہے ظرافت کا لحاف

۱۰۶۵ نیت ہو اگرچہ خیر و ایماں کی طرف — آنکھیں نہ اٹھاؤ بزم عصیاں کی طرف
مانا کہ پڑھوگے واں پہونچکر لاحول — جانا ہی ضرور کیا ہے شیطاں کی طرف

۱۰۶۶ بے گزٹ ہو کے جو رہیئے تو محلے میں حقیر — باگزٹ ہو کے جو چلئے تو فرشتوں میں خفیف

کیسے چکر میں بزرگوں کو پھنسا رکھا ہے — حضرت پیر فلک بھی ہیں عجوبات شریف

۱۰۶۷ قرآن رہے پیش نظر یہ ہے شریعت — اللہ رہے پیش نظر یہ ہے تصوف
مقصود تو واحد ہے اگر غور سے دیکھو — غافل نہ رہے اس سے اسی کا ہے تاسف

۱۰۶۸ اکبر سے میں نے پوچھا اے واعظ طریقت — دنیائے دوں سے رکھوں میں کس قدر تعلق
اس نے دیا بلاغت سے یہ جواب مجھ کو — انگریز کو ہے نیٹو سے جس قدر تعلق

۱۰۶۹ ترقی خواہ ہے تو صحن مسجد چھوڑ اے اکبر — کہا اس نے ترقی ہے تو خود پہنچے گی مسجد تک
نود نہ نام ادھر ننانوے کا پھیر ادھر یعنی — انھیں سو تک پہنچنا ہے مجھے اللہ واحد تک

۱۰۷۰ گو کہ دونوں ہی نظر آتے ہیں نیک — ایک ظاہر ایک میں باطن کی ٹیک
میں نے پوچھا ایک اور اک کے ہوئے — دے جواب اس کا تمہاری طبع نیک
بے تکلف کہہ دیا ملا نے دو — حضرت صوفی یہ بولے پھر بھی ایک

۱۰۷۱ سامان عیش کچھ نہ رہا اڑ رہی ہے خاک — اس غم میں اپنی جان مگر کیوں کروں ہلاک
میں نے تو جل کے کہہ دیا اس سال جون میں — ٹٹی اگر نہیں نہ ہو خس کم جہاں پاک

۱۰۷۲ قوم ہندو ہم سے مسلم یہ دونوں ملکے ہم — سر پہ انگریزی ہے اس سے ہوئی حالت اہم
ہے ہم سے جدا لیکن محافظ اور معین — اس کے سائے میں ہیں ہم تمام شامل ہوں باہم
دوست کیونکر ہوں نہوں جب ہمخیال و ہم مذاق — لیکن اس کا یہ اثر کیوں ہو کہ ہوں دشمن بہم
اپنا اپنا وقت ہے موقع ہے اور میلان طبع — آپ اپنے شغل میں رہیے اور اپنی دھن میں ہم

۱۰۷۳ بندوں کے وہم و زور کی اک حد ہے وہ بھی ہیچ — کرتا ہے خود وہ اپنی خدائی کا انتظام
ان ممبروں میں کوئی کدورت نہ ہو بہم — آپس میں بھی کریں یہ صفائی کا انتظام

۱۰۷۴ خبر کیا انقلاب دہر کی ان نوجوانوں کو — نئی حالت نئی آنکھیں نئے ان کے ترانے ہیں

بڑی عمریں ہیں جن کی اُن سے سنئے حال دنیا کا — نگاہوں میں زمانے ہیں زبانوں پر فسانے ہیں

۱۰۷۵ گوشۂ صبر و قناعت ہی میں اب محظوظ ہوں — شہد سے محروم ہوں تو زہر سے محفوظ ہوں
گو حریفوں کی نظر میں رنگ پھیکا ہو مرا — نرگس مستانۂ ساقی کا میں ملحوظ ہوں

۱۰۷۶ پاس کالج کے جو ہیں ووٹ طلب کرتے ہیں — پاس مسجد کے جو ہیں طاعتِ رب کرتے ہیں
عشوہ ہائے عجمی کے وہ ہوئے ہیں کشتہ — یہ رُخِ سادگیٔ طرزِ عرب کرتے ہیں
اُن کو ہے لمنیڈ و وسکی کی ضرورت اور یہ — رفع پانی سے فقط خشکیٔ لب کرتے ہیں
پھیلتے وہ ہیں کہ اغیار سے جوڑیں رشتہ — یہ ہیں سمٹے ہوئے اور حفظ نسب کرتے ہیں
وقت کو دیکھ کے اب آپ ہی انصاف کریں — وہ ستم کرتے ہیں یا آپ غضب کرتے ہیں

۱۰۷۷ تعلیم یافتہ ہوں اور نیک بخت بھی ہوں — تم سے رہیں ملائم شیطاں پہ سخت بھی ہوں
قرآن ہی کرے گا اُن بی بیوں کو پیدا — پاکیزہ تخم جب ہوں عمدہ درخت بھی ہوں

۱۰۷۸ چرچ نے پیشِ کمیشن کہہ دیا اظہار میں — قوم کالج میں اور اُس کی زندگی اخبار میں
شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں — بی بیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

۱۰۷۹ ہر خاک کے پتلے کو اُبھارا ہے فلک نے — یکتائی کے اظہار میں مست اہلِ زمیں ہیں
ہر اک کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم بھی ہیں کوئی چیز — اور ہم کو ہے یہ ناز کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں

۱۰۸۰ مرے عمل سے نہ شیخ خوش ہیں نہ بھائی خوش ہیں نہ باپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوں اُس کو اچھا دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں
جو دیکھا سائنس کا یہ چکر دھرم پکارا کہ اے برادر
ہمارے دورے میں پُن مگن تھے تمہارے دورے میں پاپ خوش ہیں

۱۰۸۱ حاکمِ دل بن گئی ہیں تھیئٹر والیاں — میں لگاؤں گا گلِ داغِ جگر کی ڈالیاں

ضبط کے جامے کے بخیے ٹوٹتے ہیں دوستو — ہائے یہ بیلیں کشیدے اور ایسی جالیاں
حور مستقبل پری ماضی مگر یہ حال ہیں — دمی فردا کیا کروں پاؤں جو یہ خوش حالیاں
آسماں سے کیا غرض جب ہے زمیں پر یہ چمک — ماہ و انجم سے ہیں بڑھ کر اُن کے بندے بالیاں
قول وہ کہتی ہیں مجھ کو میں انھیں سمجھا ہوں بھول — ہیں گلِ نرگس سے بہتر اُن گلوں کی گالیاں

کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ طلسمِ ہستی — اُس کی قدرت کے کرشمے بھی عجب ہوتے ہیں ۱۰۸۲
جان جب خاک میں پڑتی ہے تو ہوتی ہے خوشی — خاک جب خاک میں ملتی ہے تو سب روتے ہیں

مجھ کو حیرت ہے کہ ہیں یہ کس گرو کی چیلیاں — حشر برپا کر رہی ہیں مغربی البیلیاں ۱۰۸۳
لطف آزادی کی دل میں بڑھ گئی ہے چاشنی — اب تو شیشے میں اُترنے کی نہیں یہ چیلیاں
اپنے ہاتھوں اپنے سانچے کا کریں گی بندوبست — یہ نہیں وہ گڑ کہ تم اُن کی بناؤ بھیلیاں[سلہ]

کچھ غرض اور ہے احباب اس شک میں ہیں — بس یہ ہے شوق کہ پبلک کی جھلک میں ہیں ۱۰۸۴
نہیں منظور نمازوں میں گذاریں راتیں — ہاں کمیٹی ہو تو الجھے ہوئے بک بک میں رہیں
نغمۂ مرغِ سحر سے نہیں انجن کو غرض — پیٹ انگاروں سے بھر دیجیے بھک بھک میں ہیں

پایا جب کمپ کے چکر میں انھیں سب کا شریک — رشک جاتا رہا اس پر کہ بڑے عالم ہیں ۱۰۸۵
صبر و آزادی و طاعت کے مزے لو اکبر — اُن کی راہوں پہ انھیں چھوڑ دو جو حاکم ہیں

ہم کو نئی روش کے حلقے جکڑ رہے ہیں — باتیں تو بن رہی ہیں اور گھر بگڑ رہے ہیں ۱۰۸۶
ذاتی ترقیاں ہیں قومی ہے یا تنزّل — گرہیں یہ کھل رہی ہیں یا پیچ پڑ رہے ہیں
ٹانکے وہ لگ رہے ہیں جو کرتوں میں ٹوٹیں — بخیے جو فطرتی تھے وہ اب اُدھڑ رہے ہیں
سطحِ زمیں سے پوچھو کیا مل رہا ہے اُس کو — نظروں میں پھلجھڑی سے گو پھول جھڑ رہے ہیں
چلتی تو ہیں زبانیں اور بھرتے ہیں شکم بھی — لیکن اُمید کیا ہو جب دل اُجڑ رہے ہیں

سلہ بضرورت قافیہ

یہ زیورِ معانی کس کی کریں گے زینت   لفظوں کے یہ نگینے کیوں آپ جڑ رہے ہیں

۱۰۸۷ ترقی کی نئی راہیں جو زیرِ آسماں نکلیں   میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یادِ خدا آتی نہیں اُن کو   دعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

۱۰۸۸ سکھاتے ہیں جو اغیار اب اُسی کی دل سے شیدا ہیں   نہ جانا یہ کہ ہم کیا ہیں یہی سمجھے کہ وہ کیا ہیں
خرابی۔ بے اصولی۔ تفرقہ۔ اس کا نتیجہ ہے   تماشائی ہیں وہ۔ اُن کے لئے ہم اک تماشا ہیں

۱۰۸۹ ہماری حالت کو کچھ نہ پوچھو۔   فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن
پچھاڑیں کھاتے ہیں لوٹتے ہیں پکڑتے ہیں شیخ جی کا دامن   مگر شینیں جو چل رہی ہیں انھیں ہیں اُلجھے گھسٹ رہے ہیں

۱۰۹۰ وہ فقط وضع کے کشتہ ہیں نہیں قید کچھ اور   بھینس کو گون پہنا دیجئے عاشق ہو جائیں

۱۰۹۱ طعنے سنتے ہیں مگر شعر کہے جاتے ہیں   داد کے شوق میں بیداد سہے جاتے ہیں
رزولیوشن ہی کے تختے کا سہارا ہے فقط   بحرِ تدبیر ترقی میں بہے جاتے ہیں
ملک الموت نے نوٹس نہ دیا تھا افسوس   اس کمیٹی کے بہت کام رہے جاتے ہیں
آپ فرماتے ہیں ہو لہر ترقی کی تو آ   موجیں کہتی ہیں کہ یہ خود ہی بہے جاتے ہیں

۱۰۹۲ گر جائیں لاٹ صاحب مسجد میں شیخ صاحب   بدھو فلاسوفی کے کمرے میں سڑ رہے ہیں
خاک اُڑ رہی ہے گھر میں ڈولو رہی ہیں بی بی علی میاں   مذہب کے ہیں مخالف بھائی سے لڑ رہے ہیں

۱۰۹۳ تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر   خاتونِ خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں
ذی علم و متقی ہوں جو ہوں اُن کے منتظم   اُستاد اچھے ہوں مگر اُستاد جی نہ ہوں

۱۰۹۴ یہ لیڈر خود ہی مضطر ہیں مگر عشوے دکھاتے ہیں   جو شخصی زندگی ہے اُس کو یہ قومی بتاتے ہیں
بجز الفاظ کے حاوی نہیں کلی پہ کام اُن کے   یہ خود جزئی ہیں لیکن گیت کلی کا سناتے ہیں

۱۰۹۵ اللہ نے کہا ہے تم زیرِ امتحان ہو   ہم جانتے ہیں بس ہم دنیا کے ممتحن ہیں

خود نفس کے ہیں تابع تقویٰ سے بے تعلق — اوروں پہ نکتہ چینی میں غرق رات دن ہیں

۱۰۹۶ خانہ جنگی ہی میں حضرت مرد ہیں — عیب جوئی کے ہنر میں فرد ہیں
اپنوں ہی کے واسطے ہیں شعلہ خو — سامنے غیروں کے بالکل سرد ہیں

۱۰۹۷ اِدھر جوانوں کو ہے یہ سودا کہ سیر بازار میں کرائیں — اُدھر خواتینِ خلوت آرا ہنوز مست اپنی موج میں ہیں
اگر یہ قیدِ حرم کہاں تک حجاب کے دن نقاب کب تک — کہ گبر و ترسا کی لیڈیاں بھی شریکِ واعظ کی فوج میں ہیں

۱۰۹۸ سوئے مسجد اس نئی تہذیب کی راہ اب کہاں — تھینک یو میں صرف ہیں الحمدللہ اب کہاں
ہم غریبوں ہی کو لازم ہے توجہ اس طرف — التفاتِ صاحبانِ شوکت و جاہ اب کہاں
بزم آرا ہیں مراقب میں جو تھے درویش دوست — شوق ہے دربار کا وہ ذوقِ درگاہ اب کہاں

۱۰۹۹ مرے نزدیک تو بے اصل یہ اشکال ظاہر ہیں — جو اچھے ہیں وہ مومن ہیں بُرے جو ہیں وہ کافر ہیں
وہی ہیں پاک طینت لو لگی ہے جن کی خالق سے — نہیں ہے شرک کی جن میں نجاست بس وہ طاہر ہیں

۱۱۰۰ اللہ کو جگہ دے تو اپنے دل میں اکبر — اللہ خود ہی دے گا تجھ کو جگہ دلوں میں
اللہ ہی کو سمجھو مقصودِ علم و دانش — اللہ ہی کو چاہو ہستی کی منزلوں میں
خوف و رجا سے دیکھو ہر دم اُسی کی جانب — فطرت کے منظروں میں طاعت کے سلسلوں میں
کرتے ہو ساتھ ادب کے جب ذکر تم خدا کا — ہوتے ہیں خوش ملائک بھی اپنی محفلوں میں
جو دین کے ہیں عالم راہِ خدا کے ہادی — تم سمجھو خود کو ناقص بس وہ ہیں کاملوں میں
مسلم شریکِ ملت ہو بھی جو لغزشوں میں — کم وقت اپنا کاٹو طعنوں میں اور گلوں میں
شامل تمھاری صف میں طاقت ہے وہ تمھاری — کافی ہے یہ نہیں ہے وہ حق کے مبطلوں میں
رحماء بینہم پر رکھو نظر ہمیشہ — ہر چند یہ طریقہ ہے سخت مشکلوں میں
ہنگامہ جو ہے شوقِ اعزاز و فکرِ روزی — کوشش کرو مگر تم شامل ہو عاقلوں میں

اک بات ہم نے کہہ دی ورنہ یہ وقت وہ ہے / تم بھی ہو زخمیوں میں ہم بھی ہیں بسملوں میں

١١٠١ اک طرف تمکین ہے اور بیقراری اک طرف / انتظام طبع انساں ہے خدا کے ہاتھ میں
ہے وہی دیوار میں مٹی بگولے میں جو ہے / نیو کے پنجے میں وہ ہے یہ ہوا کے ہاتھ میں

١١٠٢ بیجا ہو اعتراض تو اُس پر بھی ہیں خموش / گو دل ہی دل میں غصے سے بھنتے بھی خوب ہیں
کہتے ہیں خوب حضرت اکبر شک اس میں کیا / لیکن میں دیکھتا ہوں کہ سنتے بھی خوب ہیں

١١٠٣ آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے / مسجد سے ہم نکل گئے بسکٹ کی چاٹ میں
صاحب سلامت اب بھی مری شیخ جی سے ہے / لیکن چھٹے چھڑا ہے وہی راہ ہاٹ میں

١١٠٤ خانقاہوں کے کھلیں در کس طرح / ہیں کواڑ اب تنگ اپنی چول میں
حکم گردوں ہے کہ حلقے چھوڑ دو / یا پرس میں جاؤ یا اسکول میں

١١٠٥ گردوں نے ہم کو اس کا لقمہ بنا دیا ہے / تہذیب مغربی کے معدے میں ہم پڑے ہیں
شخصیتیں جو اکثر تم دیکھتے ہو باقی / کیلوس ہو رہا ہے لقمے بڑے بڑے ہیں
اللہ نے جو چاہا ہم ہضم ہی نہ ہوں گے / توحید اور قناعت کے پاسباں کھڑے ہیں
البتہ اُن کی نسبت کچھ رائے میں نہ دوں گا / جو اس سے خون ملنے کی آس پر اڑے ہیں

١١٠٦ مناسب ہے نئی تعلیم نسواں / یہی راہ آپ اب بے رد و کد لیں
سمجھ لیں لاکھ باتوں کی یہ اک بات / میاں بدلے تو بی بی کیوں نہ بدلیں

١١٠٧ کفر پر غصہ نہیں فطرت پہ کچھ حیرت نہیں / خانہ جنگی کے سوا بس اور کچھ رغبت نہیں
قوت انشا کو آخر صرف کرنا ہے ضرور / کیا کریں زور قلم ہے اور کچھ طاقت نہیں

١١٠٨ سنیں تو آپ قناعت کے غل مچانے کو / وہ کہہ رہی ہے نہ چھوڑو غریب خانے کو
تمھاری حرص بدل کر تمھیں کرے گی ہلاک / ہمارا صبر بدل دے گا اس زمانے کو

دنیا کو نہ کاغذ خبر میں دیکھو ۔۔۔ اپنے فردا میں اپنے گھر میں دیکھو ۱۱۰۹
الفاظ کی شوکت و نزاکت پہ نہ جاؤ ۔۔۔ قائل کو قول کے اثر میں دیکھو

اپنی محنت کو اپنا آنر سمجھو ۔۔۔ اپنے پاؤں کو اپنا موٹر سمجھو ۱۱۱۰
صحت اچھی تو ہر جگہ ہے آرام ۔۔۔ اپنے ہی بدن کو اپنا تم گھر سمجھو
اے بی بیو شرم ہی کو تم سمجھو حُسن ۔۔۔ اور اپنے ہنر کو اپنا زیور سمجھو
بی بی میں جو طرز مغربی ہو تو کہو ۔۔۔ احسان ہے یہ جو مجھ کو شوہر سمجھو
دست اندازی پولس کی ہو جس میں روا ۔۔۔ ہرگز نہ اُسے کلام اکبر سمجھو

کون کہتا ہے کہ تعلیم زناں خوب نہیں ۔۔۔ ایک ہی بات فقط کہتا ہے یاں حکمت کو ۱۱۱۱
دو اُسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم ۔۔۔ قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

سب سعی میں مصروف ہیں حاصل کی نہ پوچھو ۔۔۔ مغرب کے خضر ساتھ ہیں منزل کی نہ پوچھو ۱۱۱۲
ہے بحر مباحث میں رواں کشتیٔ اُمید ۔۔۔ لہروں کی لچک دیکھ لو ساحل کی نہ پوچھو

منزل گور تک پہنچنا ہے ۔۔۔ خواہ چھکڑا ہو خواہ موٹر ہو ۱۱۱۳

زمیں سے فیض نامحدود کا کیونکر تحمل ہو ۔۔۔ ترقی دنیوی یہ ہے کہ اوروں کو تنزل ہو ۱۱۱۴
یہی بنیاد ہے دنیا میں جور و ظلم و غفلت کی ۔۔۔ تو اس سے محترز رہتے ہیں کیوں تجھ کو تامل ہو
طلب دنیا کی کر اتنی کہ طاعت ہو سکے رب کی ۔۔۔ مصیبت ہے یہ شرط اس میں کہ شوکت ہو تجمل ہو
حکومت کی طلب کا بھی یہی مقصود ہے اصلی ۔۔۔ کہ روحانی طریقوں سے خلائق کو توسل ہو
ترقی ہے جو روحانی وہی ممدوح ہے اکبر ۔۔۔ کہ ہو ہر جزو کو آسودگی کو شرکت کل ہو

وزن نامحدود میزان نظر میں خوب ہے ۔۔۔ نام کی خاطر تر شکر تولہ ماشہ کیوں بنو ۱۱۱۵
دین حق ہے آنکھ زینت ہے تماشائے جہاں ۔۔۔ تم تماشائی رہو اکبر تماشا کیوں بنو

۱۱۱۶ خواہ صاحب کو تم سلام کرو　　خواہ مندر میں رام رام کرو
بھائی جی کا فقط یہ مطلب ہے　　جس میں روپیہ ملے وہ کام کرو

۱۱۱۷ پڑھ دیا اکبرِ مغموم نے یہ شعرِ بلیغ　　جب کہا اُس سے کہ اس بزم میں کچھ تم بھی کہو
چین کے ساتھ ہم اسوقت بھی رہ سکتے ہیں　　شرط یہ ہے کہ فقط پیٹ ہو اور آنکھ نہ ہو

۱۱۱۸ اک دل لگی ہے وقت گذرنے کے واسطے　　دیکھو تو ممبروں کے ذرا ایر پھیر کو
ایسی کمیٹیوں سے ہے پھل کا امیدوار　　اکبرؔ درخت سمجھا ہے پتّوں کے ڈھیر کو

۱۱۱۹ مذہب کی لیپ پوت سے دبتی نہیں ہے عقل　　بس عشق ہی مٹاتا ہے اُس کی کُریدکو
دینِ خدا کے نور کا جلوہ نصیب ہو　　دل کی نگاہ پائے جو وحدت کے بھید کو

۱۱۲۰ رنگت نہ مانہ طرزِ طبائع کا بھی ہے پاس　　تقوے کا گو خیال بہت ہے جناب کو
مرعوب ہو گئے ہیں ولایت سے شیخ جی　　اب صرف منع کرتے ہیں دیسی شراب کو

۱۱۲۱ اس کو سنتا ہوں اُس پہ جھکتا ہوں　　کوئی دعوے ہو یا کوئی درگاہ
ایک اور اِک دو مگر زباں پہ ہے　　دل میں ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

۱۱۲۲ لباس و اتحاد و دین و غیرت ایک لقمے میں　　نئی تہذیب کا یہ پیٹ ہے یارب کہ مٹکا ہے

۱۱۲۳ پڑھے اس جا جہاں تاثیرِ ملت جا نہیں سکتی　　بسے اُس جا کہ آوازِ اذان بھی آ نہیں سکتی
تمھیں کو ناز ہو اے نوجوانو اس طریقے پر　　مری اُمید تو نغمہ خوشی کا گا نہیں سکتی

۱۱۲۴ انساں کا علم کامل سابق میں تھا نہ اب ہے　　لیکن نئی طرح کا اک تجربہ رہا ہے
مرزا غریب چپ ہیں ان کی کتاب ردّی　　بڈھو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

۱۱۲۵ محوِ اضافہ وہ بت کھیوٹ پرست ہے　　کہتا ہے آخرت کا یہی بندوبست ہے
اپنے عیوب پر تو ذرا بھی نظر نہیں　　اوروں پہ اعتراض میں ہر وقت مست ہے

نئی تہذیب کی عورت میں کہاں دین کی قید — بے حجابی جو ہوا اس میں تو قباحت کیا ہے ١١٢٦
نورِ اسلام نے سمجھا تھا مناسب پردہ — شمع خاموش کو فانوس کی حاجت کیا ہے

جناب ہی کو مناسب ہے یہ سول لائن — نیازمند کو تو شہر ہی میں راحت ہے ١١٢٧
زمانہ ہے کہ وہ دشمن ہے صاف گوئی کا — زبان ہے کہ نہیں مانتی مصیبت ہے

مُرغی نے کہا خوب کسی کیمپ میں لٹ کے — انڈا وہی اچھا ہے کہ بچّا جسے گھُٹ کے ١١٢٨
دیوارِ شکستہ نے ترقی کی دعا کی — گردوں کی عنایت سے سڑک بن گئی کٹ کے

کیوں اپنے سر پہ زحمت بے سود لیجئے — کونسل کے بدلے گھر میں اچھل کود لیجئے ١١٢٩
کھاپی کے گھر میں بیٹھیے اور گائیے بھجن — کاشی سے جل پراگ سے امرود لیجئے
ہو وضع اپنے دیس کی مال اپنے دیس کا — بہتر ہے راہِ منزلِ بہبود لیجئے

ہوائے کوچۂ مشرق کی موجیں یاد ہیں ہم کو — وہی تھی منزلِ راحت وہی رفتار اچھی تھی ١١٣٠
نئی محفل کی نکٹائی تو گویا طوقِ گردن ہے — وہی بت خانہ بہتر تھا وہی زنّار اچھی تھی

شوخی یہ لیڈروں کی یہ ملت کی ابتری — تاریک شب میں کشمکش برق و ابر ہے ١١٣١
محفوظ مثلِ انجمِ تاباں ہیں وہ بزرگ، — ذوقِ صلوٰۃ جن کو ہے اور تابِ صبر ہے

ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب — بیگم کا اگر عطرِ حنا اور ہی کچھ ہے ١١٣٢
سائے کی بھی سن سن ہوس انگیز ہے لیکن — اُس شوخ کے گھونگھرو کی صدا اور ہی کچھ ہے

ان عزیزوں کا عمل اکبرؔ محلِّ غور ہے — کہہ رہے کچھ اور ہیں اور ہو رہا کچھ اور ہے ١١٣٣
مختصر حالت یہ ہے اُن کا مدارِ زندگی — مذہبی ترکیب باقی ہے نہ سوشل طور ہے
قیمت کو ترسے بڑھکے دیتے ہیں ٹھہر کے دام — بے حسی کا میکدہ ہے غفلتوں کا دور ہے

دل اس کے ساتھ ہے کہ خدا جس کے ساتھ ہے — لیکن خبر نہیں کہ خدا کس کے ساتھ ہے ١١٣٤

البتہ پیشِ چشم ہے قانونِ عافیت | جو نیک اور شریف ہے وہ اس کے ساتھ ہے

۱۱۳۵ بل کا آٹا ہے نل کا پانی ہے | آب و دانے کی حکمرانی ہے
اک ادا سے کہا مسوں نے کم آن | تیر کی مجھ میں اب روانی ہے

۱۱۳۶ مشرق میں ولادت پر راضی نہ تھے یہ بندے | چارا ہی نہ کیا تھا فطرت جو یہاں جن دے
جب چاند کی چالاکی گھٹ بڑھ میں نظر آئی | تقدیر نے چمکایا سورج نے دیے چندے
جو جس کے مناسب تھا گردوں نے کیا پیدا | یاروں کے لئے عہدے چڑیوں کے لئے پھندے
خم ہو کے ہلال آیا گردوں نے کہا حضرت | ہو جائیے گا فربہ جاکر تو لگیں چندے

۱۱۳۷ میزانِ نظر میں اپنی قوت تو لے | خالی الفاظ کی دکاں کیوں کھولے
اللہ کو مان سے دلیلیں کیسی | اکبر سے کہو کہ خود تو ثابت ہو لے

۱۱۳۸ حکومت اسکی اسی کی مرضی اسی کے سب کام اور دھندے | کہاں کے انگلش کہاں کے نیٹو خدا کی دنیا خدا کے بندے

۱۱۳۹ عجیب معنیِ نازک ہیں اس مقولے میں | نظر وسیع جو ہو بندگی میں شاہی ہے
خدا کے ساتھ نہیں ہو تو کچھ نہیں ہو تم | خدا کے ساتھ اگر ہو تو پھر خدا ہی سے ہے

۱۱۴۰ واقف ہوں ان بتوں کے مکر و فریب سے ہیں | سب ہیں یہ دل کے پتھر اور آنکھ کے رسیلے

۱۱۴۱ یہ سڑک کس سمت میں آخر نکالی جائے گی | آنے والی نسل کس سانچے میں ڈھالی جائے گی
نفس کی جو ہیں ترنگیں ان میں ہے گویا اک جوش | تا کجا لیکن یہ موجِ خوش مقالی جائے گی
جھاڑ کر دامن الگ ہٹ جائیں خاصانِ طریق | ورنہ یہ توفیق بھی دل سے اٹھالی جائے گی
خود پرستوں کو مبارک ہو یہ ایوانِ رفیع | دل شکستوں میں کوئی مسجد بنالی جائے گی
ان ستونوں سے نہ سنبھلے گی تری سقفِ حرم | خطرۂ ترسا پر گر بنیاد ڈالی جائے گی

۱۱۴۲ میری نسبت جو ہوا ارشاد وہ میں نے سنا | یہ تو کہئے اپنی نسبت آپ کی کیا رائے ہے

اے شوق وضعِ مغربی در ما فگندی ابتری | ہر چند شفقت مکیم لیکن تو زاں بالاتری ١١٤٣

شیخم شہید جلوہ ہا اُفتادہ در کمپ شما | باشد کہ از بہر خدا سوئے شہیداں بنگری

سحر نگاہت ناز من مرکوز طبعت راز من | ہر نغمہ ات بر ساز من حقا عجائب دلبری

تو سینہ گشتی دل شدم تو چیز شدی پوپل شدم | تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ہر چند با تو بستہ ام از طعن اکبر خستہ ام | للہ لطفے خاص کن پیدا بحق نیچری

آں را کہ تاجر دیدہ تازی ازو بشنیدہ | شد نوکری فن پدر اُردو زبانِ مادری

اے بانوِ خلوت نشیں تا کے بہ قید آن و ایں | از پردہ بیروں آ ہمیں نازِ زنانِ لشکری

اعزاز بڑھ گیا ہے آرام گھٹ گیا ہے | خدمت میں ہے وہ لیڈی اور ناچنے کو ریڈی ١١٤٤

تعلیم کی خرابی سے ہو گئی بالآخر | شوہر پرست بی بی پبلک پسند لیڈی

آپ اکبر لاکھ مشقِ خوش کلامی کیجئے | کتنا ہی اظہارِ اعزاز دوامی کیجئے ١١٤٥

دوستی کی آپ کے فرصت نہیں اس شوخ کو | یا کھسکئے سامنے سے یا غلامی کیجئے

کہاں ہم ہیں جماعت اور طاعت | شکستہ ہو گئے سابق کے رشتے ١١٤٦

نہیں ہے کچھ شکایت لیڈروں کی | کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے

کُل برگد تھا جن کا براتی | اُن کی قبر پر پھول نہ پاتی ١١٤٧

[illegible]

عبرت ہے یہ دوہا گاتی | ستر پوت بہتر ناتی

ہندو کے اتفاق کو گنگا ہی گائے ہے | مرزا کے اتفاق کو مجلس کی ہائے ہے ١١٤٨

البتہ شیخ جی کا کوئی مرکز اب نہیں | ہر پیر ہر جواں کی جداگانہ رائے ہے

لات و عزیٰ سے چھٹے تو زید و خالد میں پھنسے | فائدہ کیا خلق کو پہونچا در اسلام سے ١١٤٩

انتظامِ دہر کہتا ہے کہ یہ اک بھید ہے | کام رکھ تو اپنے دل میں بس خدا کے نام سے

۱۱۵۰ تصویر اصل سے نہیں رکھتی مطابقت — تصویر ادھر کھنچی اور ادھر تم بدل گئے
تصویر بین کی فانی و ماضی پہ ہے نگاہ — ذرات جسم حال کے سانچے میں ڈھل گئے

۱۱۵۱ جو پوچھا مجھ سے دور چرخ نے کیا تو مسلماں ہے — میں گھبرایا کہ اس دریافت میں کیا رمز پنہاں ہے
کروں اقرار تو شاید یہ بے مہری کرے مجھ سے — اگر انکار کرتا ہوں تو خوف قہر یزداں ہے
بالآخر کہہ دیا میں نے کہ گو مسلم تو ہے بندہ — ولیکن مولوی ہرگز نہیں ہے خانساماں ہے

۱۱۵۲ سکہ بٹھا رہا تھا قرآں جب عرب پر — اُس وقت پڑ رہی تھی بنیاد سلطنت کی
اسوقت میں ہو موزوں کیا مذہبی ترانہ — جب پاؤں شیخ کا ہے اور لے ہے اُنکی گت کی

۱۱۵۳ میرے فراغ دل پہ تعجب نہ کیجئے — پھیلے نہ پاؤں ہیں نہ ذرا اپنا ہاتھ ہے
کیا آپ نے ہنوز کسی سے سُنا نہیں — جس نے کیا ہے صبر خدا اُس کے ساتھ ہے

۱۱۵۴ وجد میں لائے گا یہ مضمون اہل ذوق کو — دھوم تھی روز ازل اُس سید ذیجاہ کی
جب رُکے آثار فطرت کہہ کے حرف لاالہ — نور احمد سے اُٹھی آواز الا اللہ کی

۱۱۵۵ عشاق کو بھی مال تجارت سمجھ لیا — اس قہر کو ملاحظہ للہ کیجئے
بھرتے ہیں میری آہ کو فونوگراف میں — کہتے ہیں فیس لیجئے اور آہ کیجئے

۱۱۵۶ ہستی ہے خوب اکبرؔ ناخوب یہ خودی ہے — دونوں میں فرق کرنا عرفان بس یہی ہے
نفی خودی میں لیکن ہستی کا حس ہو جس کو — کتنی قوی بظاہر یہ بحث فلسفی ہے
کیونکر جہان صورت اس مسئلے کو سمجھے — یہ عالم معانی بالائے زندگی ہے
ہوش حواس گم ہیں لیکن زبان عارف — توحید کا مزا ان لفظوں میں لے رہی ہے

۱۱۵۷ یہی بحثیں ہیں سب ہیں وہ کیسے ہیں وہ کیسے تھے — یہی سنتے ہوئے گذری وہ ایسے ہیں وہ ایسے تھے
عمل اوروں ہی کے دکھائے یہ نیک و بد ہیں — ترقی خود نہ کی کچھ رہ گئے ویسے کہ جیسے تھے

۱۱۵۸ پاس انفاس ہو اگر ملحوظ — ہر نفس راہ کامرانی ہے
سانس لینے کا ورنہ کیا حاصل — صرف اک شغل زندگانی ہے

۱۱۵۹ عاشقی ان کی نہیں ہے عقل سے بالکل جدا — اہل دل وہ بھی ہیں لیکن دل بدن کے ساتھ ہے
وہ نہیں ہیں میرے چاک جیب و داماں میں شریک — ہے جنوں ان کو بھی لیکن پیرہن کے ساتھ ہے
آہوئے رعنائے دشت ہو کے وہ قائل نہیں — آنکھ اُن کی آہوئے دشت ختن کے ساتھ ہے
مجھ کو اُلجھانے کو کافی ہو گئی سنبل کی شان — جوش سودا اُن کا زلف پرشکن کے ساتھ ہے
یہ نہیں تو کچھ نہیں باتیں ہی باتیں ہیں فقط — ہر زباں اپنے جدا طرز سخن کے ساتھ ہے

۱۱۶۰ جس نے یہ بات کسی اور طرح جانی ہے — اُس کے نزدیک یہ بے مثل ہے لاثانی ہے
جس نے اشعار ہی میں رنگ تصوف دیکھا — وہ بھی کہہ دیگا یہ اک رندئ روحانی ہے

۱۱۶۱ بس اتنی بات ہے سامع میں ہو مذاق سخن — مجال کیا کہ مرے شعر پر اچھل نہ پڑے
اب اپنے وعظ میں دنیا سے دل کسی کا نہ پھیر — قلی گدام کی بھرتی میں تا خلل نہ پڑے

۱۱۶۲ خوب اک ناصح مشفق نے یہ ارشاد کیا — بزم میں اُس نے نقل جو کل اکبر کی سُنی
نہ تری فوج نہ شاگرد نہ پیرو نہ مُرید — نہ تو ارجن ہے نہ سقراط۔ رشی ہے نہ مُنی
کس نگیں پر ہیں ترے نقش کے آثار عیاں — نوٹ بک تیری شکستہ تری پنسل ہے گھُنی
فکر سے ذکر سے عبرت سے تجھے کام نہیں — واہ واکے لئے لفظوں کی دُکاں تو نے چُنی
طبع میں تیری رہی خامئ حرص دنیا — آتش خوف خدا سے نہ جلی ہے نہ بھُنی
خود پرستی ہے بہت خلق کی خدمت کم ہے — دل دہی کم ہے تو ہے دل شکنی چار گُنی
تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بہ گزاف — مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کُنی

۱۱۶۳ کتنا ہی ذوق سخن ساز سخن ٹھیک کرے — کتنی ہی کوئی کسی امر کی تحریک کرے

میں تو کہتا ہوں یہی اور کہوں گا بھی یہی　　بات وہ خوب کہ جو اللہ سے نزدیک کرے

۱۱۶۴ کب کہتا ہوں میں شیخ معزز نہ رہیں گے　　البتہ یہ ہے خوف کہ مرکز نہ رہیں گے
سچ کہتا تھا معمار کسی وقت میں اکبرؔ　　اُٹھا دو فقط اب یہ مرے گز نہ رہیں گے

۱۱۶۵ مادہ سب میں یہ ہو اک خیال خام ہے　　اک مذاق طبع ہے جس کا تصوف نام ہے
وہ تو ہے معذور جس کے دل میں اُس کا ذوق ہے　　اس سے خالی جس کا دل ہو اُس پہ کیا الزام ہے

۱۱۶۶ تعلیوں کو طبیعت ریجکٹ[۵۱] کرتی ہے　　جو دل شکستہ ہیں اُن کو سلکٹ[۵۲] کرتی ہے
ملا ہوں خاک میں خود اس سبب سے میری نظر　　گرا کے قصر بگولے اِرکٹ[۵۳] کرتی ہے

۱۱۶۷ محنت کی فکر ادھر ہے تردد ہے کام کا　　دل میں اُدھر ترنگ بھی ہے خودسری بھی ہے
صنعت بھی محوِ سعی ہے فطرت بھی مستِ ناز　　باغ جہاں میں بیل بھی ہے تیتری بھی ہے

۱۱۶۸ کہاں اُردو ہندی میں زرِ نقد　　وہی اچھا ہے جو گنتا مُنی ہے
مرے نزدیک تو بے سود یہ بحث　　میانِ ہمدم[۵۴] و چنتا مشنی[۵۵] ہے

۱۱۶۹ حامی میں تصوف کا دل و جاں سے ہوں لیکن　　ارواح پرستی کو تصوف نہیں کہتے
دنیا کی مجھے فکر ہے غم اس کا نہیں ہے　　سُن لو کہ تردد کو تاسّف نہیں کہتے
پاکیزہ ہوا ڈھونڈتا ہوں سانس کی خاطر　　اس شوق صفائی کو تکلّف نہیں کہتے

۱۱۷۰ پارک میں زردے کے مالی سے گل بے بو لیا　　مال ضایع کرنے کا تم کو ہے مالیخولیا
شیخ کے دامن کو اکبرؔ نے دیا بوسہ جو کل　　ہم نے برکت کیلئے اِک مس کا سایا چھو لیا

۱۱۷۱ قوم پر ممبری کا فیسر ہوا　　کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا
شیخ جی مر گئے کمیٹی میں　　غُل مچا خاتمہ بخیر ہوا

۱۱۷۲ اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو اُبھارا　　ایک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا

۵۱ رد کرنا ۵۲ منتخب کرنا ۵۳ تعمیر کرنا ۵۴ نام اخبار ۵۵ اڈیٹر لیڈر ۱۲

پتلون میں وہ تن گیا یہ سائے میں بھیلی — پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اُتارا
کچھ جوڑ تو اُن میں کے ہوئے حال میں رقصاں — باقی جو تھے گھر اُن کا تھا افلاس کا مارا
بھرا وہ بنا کمپ میں یہ بن گئیں آیا — بی بی نہ رہیں جب تو میاں پن بھی سدھارا
دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرعہ — آغاز سے بدتر ہے سرانجام ہمارا

۱۱۷۳ اگرچہ ہے ذوق تمکنت کا لحاظ رکھتا ہوں سلطنت کا
خدا نے قائم کئے ہیں درجے خیال ہے حدِ منزلت کا
زبان کھولوں تو سوچ لوں گا کہ دل کہاں تک ہے اس کا ساتھی
قدم بڑھاؤں تو دیکھ لوں گا جو منتہا ہے مری سکت کا
میں کب ہوں نغمات دل سے غافل نہیں ہیں سازوں پہ پھر بھی مائل
بُرا جو کھنچ جائے گا کوئی سُر تو لطف جاتا رہے گا گت کا
وہ قوم کی شرط ہی نہیں ہے زباں کہیں ہے مکاں کہیں ہے
ستون ہی جب نہیں میسر تو کیا دکھاؤں میں ٹھاٹھ چھت کا

۱۱۷۴ سنوارے خود آپ ہی نے پتلے اور اُن میں کنجی لگائی غربی
لگے وہ جب ناچنے اُچھلنے کسی کو پھینکا کسی کو ٹپکا

(ایک صاحب نے فرمایش کی تھی مگر بعد ملاحظہ خاموش رہے)

۱۱۷۵ کیوں نہ اپنے دل کو ہو اُن سے ملاپ — لاٹ صاحب ہیں ہمارے مائی باپ
اُن کے حق میں بھی دعا کرتے ہیں ہم — مندروں میں جب کبھی کرتے ہیں جاپ
اُن کی بڑھتی سب مناتے ہیں یہاں — خواہ وہ ہوں خواہ ہم ہوں خواہ آپ
ہر طرف سامان ہیں آرام کے — کھل گئی ہے ہر طرف ہر شے کی شناپ

ہوگئے روشن حدودِ آسماں علم چمکا ہوگئی تاروں کی ناپ
ساری دھرتی دب گئی سائنس سے لگ گئے پائپ گیا دنیا سے پاپ
حضرت واعظ ہیں راضی رقص پر دیر کیا ہے اب پڑے طبلے پہ تھاپ

۱۱۷۶ ممبر لیگم صفِ مسجد مرا درکار نیست جان بیا ہو چکا ہے حاجتِ غم خوار نیست
ہمنشینِ من اگر شاعر نباشد گو مباش باگزٹ کار است ما را منقبت درکار نیست

۱۱۷۷ عجب بے تمیزی ہے اس دَور کی زمانے کو دیکھو اور شیو پکار
پپیہے سے کہتے ہیں اب پی کو چھوڑ ضرورت ترقی کی ہے کیو پکار

۱۱۷۸ اونٹ نے برگڈ میں کل گردن اُٹھائی تھی ذرا ہو چکی تھی اُس کو کمسریٹ میں اک مدت دراز
وہ یہ سمجھا تھا مسلم ہیں ہماری نیکیاں خوش دلی سے آپ فرمائیں گے اُس کو سرفراز
منزلِ مقصود اُس کو سجدہ گاہِ خلق تھی وہ تو تھا اک بارکش اور سالکِ راہِ حجاز
آپ نے ناحق سزاوارِ سزا سمجھا اُسے آپ اُسے گردن کشی سمجھے جو تھا اک پاک ناز
یا الٰہی ہم غریبوں کا کہاں ہو اب نباہ بدگماں اُشتر سے جب ہیں حضرت انجمن نواز

۱۱۷۹ یورپ کو پالسی میں عجلت کی کیا ضرورت ہے ملتوی قیامت تقسیم ایشیا تک

۱۱۸۰ یکے ذی علم در اسکول روزے فتاد از جانبِ پبلک بدستم
بدو گفتم کہ کفری یا بلائی کہ پیشِ اعتقادات تو پستم
بگفتا مسلم مقبول بودم ولے یک عمر با ملحد نشستم
جمالِ نیچری در من اثر کرد وگرنہ من ہماں شیخم کہ ہستم

۱۱۸۱ نئے بزرگوں کو میں نے جانچا نیا ہی پایا بس اُن کا سانچا اگرچہ شیریں نفس بہت ہیں مگر سراپا وہ کیک ہی ہیں

۱۱۸۲ تو تلاوت میں ہے مصروف تو پھر کیا یہ خیال کیوں ہے تجھ سے بت سرکش کو تباین بعید
کیا نہیں تو نے سنا قولِ بزرگاں اے دوست دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآن خواند

رباعیات

کیا فرض ہے یہ کہ ہم ڈھٹائی سے رہیں — لازم کیا ہے۔ بلند ادائی سے رہیں ۱۱۸۳
کافی ہے خدا کی یاد اک گوشے میں — روٹی مل جائے اور صفائی سے رہیں

اُس بُت نے کہا کہ تو ہے بے علم و خرد — کھول آنکھ زمانے کے موافق ہو جا ۱۱۸۴
آخر میں کھُلا کہ اُس کا مطلب یہ تھا — اللہ کو چھوڑ مجھ پہ عاشق ہو جا

آمادہ حریف ہیں ستانے کے لئے — اور دُکھ میں شریک ہونے والا نہ رہا ۱۱۸۵
زندہ ہوں تو مجھ پہ ہنسنے والے ہیں بہت — مر جاؤں تو کوئی رونے والا نہ رہا

عالم نے یہاں قبول و رد کو جانا — دیکھا دنیا کو نیک و بد کو جانا ۱۱۸۶
عاقل وہ ہے کہ جس نے ہنگام عمل — اپنی قوت کو اپنی حد کو جانا

اکبر اس باب میں نہ کر فکر بہت — منطق کے گھر میں کچھ نہیں اس کا علاج ۱۱۸۷
مذہب کے قبول میں زیادہ ہیں دخیل — سوشل اثرات اور افتاد مزاج

مذموم ہے رمز و طعنہ و کبر و حسد — رکھو یہ روش کرے جو اللہ مدد ۱۱۸۸
ہم رنگ سے ارتباط با صدق و صفا — بے میل سے احتراز بے کینہ و کد

آخر کے لئے زبان درازی ہے بری — روٹی نہ ملے تو غل مچانا جائز ۱۱۸۹
اس وقت میں ہے یہی نصیحت اچھی — اس ساز پہ ہے یہی ترانا جائز

سمجھیں نہ حضور تھرڈ والوں کو حقیر — انجن تو وہی ہے جس کی ہم سب کو ہے آس ۱۱۹۰
اسٹیشن گور تک ہے یہ فسٹ و سکنڈ — بعد اس کے موافق عمل ہوگا کلاس

دنیا کی ہوس دھرم کا لیتی ہے جو رنگ — دقت ہوتی ہے جاتری ہوتے ہیں تنگ ۱۱۹۱

انگاجی کا بہاؤ تو یکساں ہے — آفت ہے مگر پراگ والوں کی یہ جنگ

۱۱۹۲ مذہب کا معاشرت سے ہے ربط کمال — دونوں جو ہوں مختلف تو آرام محال
پہلے یہ مسئلہ سمجھ لیں احباب — بعد اس کے رفارم کا کریں اہل خیال

۱۱۹۳ انداز سلف کو یک قلم بھولی قوم — ہے سالک راہِ غیر معمولی قوم
جمعیت دین و دل سے کچھ کام نہیں — قومی اسکول ہے اور اسکولی قوم

۱۱۹۴ میں ہوں یا آپ جناب برہم — دنیا کی روش سے سب ہیں درہم برہم
بے تاب ہے زخم ہائے دل سے مشرق — یارب تری رحمتیں بنیں اب مرہم

۱۱۹۵ قرآن و حدیث میں ہے ڈوبا واعظ — چسپاں ہو مگر یہ اُس کا مضمون کہاں
گھر پہلے بنا کے خانہ داری سکھلا — ملت ہی نہیں ہے جب تو قانون کہاں

۱۱۹۶ میں کب کہتا ہوں وہ مسلمان نہیں — سب میں چمکے ہوئے ہیں لاثانی ہیں
میں تو اتنا ہی کر رہا تھا دریافت — قومی ہیں کہ مذہبی کہ روحانی ہیں

۱۱۹۷ فطری خوبی ہے مبتلا فالج میں — بلبل داخل ہے میوزیکل کالج میں
داخل میں نوائے ساز کس کو خبر ہے — رعشہ ہر سُر کو ہے مگر خارج میں

۱۱۹۸ پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو — لائل سبجکٹ تم برٹش کے رہو
قانون سے فائدہ اُٹھانا ہے اگر — حامی نہ کسی خراب سازش کے رہو

۱۱۹۹ ہے ان کی جبیں اور بتوں کی درگاہ — ہیں شرک خفی میں مبتلا شام و پگاہ
کس کو یہ خیال ہے کہ مومن کے لئے — قرآن میں ہے اشد حُبًا للہ

۱۲۰۰ منکر کے خیال میں پریشانی ہے — اُس کا منشا فقط ہوس رانی ہے
دنیا فانی ہے وہ بھی ہے اس کا مقر — لیکن نہ سمجھ سکا کہ کیوں فانی ہے

۱؎ اڈیٹر مشرق

روشن سینے میں شمعِ ایماں کر دے | دل تیری طرف رہے وہ ساماں کر دے ۱۲۰۱
دنیا سے ہو بےخبر ترے شوق میں روح | یارب اکبر پہ زیست آساں کر دے

اک روز بھی تارکِ تگ و دو نہ ہوئے | فارغ از بحثِ گندم و جَو نہ ہوئے ۱۲۰۲
جمعیتِ دل کہاں حریصوں کو نصیب | ننانوے ہی رہے کبھی سَو نہ ہوئے

ہر اک سے سُنا نیا فسانہ ہم نے | دیکھا دنیا میں اک زمانہ ہم نے ۱۲۰۳
اول یہ تھا کہ واقفیت پہ تھا ناز | آخر یہ کھُلا کہ کچھ نہ جانا ہم نے

ظاہر تری رحمتِ نہفتہ ہو جائے | بیدار ہمارا بختِ خفتہ ہو جائے ۱۲۰۴
کُملایا ہوا ہے دل ہمارا یارب | بھیج ایسی ہوا کہ وہ شگفتہ ہو جائے

ہر ساعت رخت بستہ دنیا میں رہے | مغموم و ملول و خستہ دنیا میں رہے ۱۲۰۵
عاشورہ ہے ہر روز پس از قتلِ حسین | مومن اب دل شکستہ دنیا میں رہے

دیکھا قدرت کا کارخانہ ہم نے | علمی طاقت کو پست جانا ہم نے ۱۲۰۶
ازبسکہ ضرور تھا کوئی طرزِ عمل | نبیوں نے جو کچھ کہا وہ مانا ہم نے

جب نورِ یقیں نہیں بصیرت کیسی | طاقت ہی نہیں دلوں میں ہمت کیسی ۱۲۰۷
اسلام نئی روش میں کیا ہو یک رُخ | مسجد ہی نہیں تو پھر جماعت کیسی

مثنویات

۱۲۰۸ دُور کوہ لب ساحل سے جو گذری اک موج — کوہ نے اس سے کہا تو نے نہ دیکھا مرا اوج
مجھ سے مل کر تجھے جانا تھا برائے دم چند — بولی، سالک کبھی کرتے نہیں ساکن کو پسند
ہیں بڑے آپ مگر اپنی جگہ سے ہیں اٹل — اپنی رفتار میں کیا فائدہ ڈالوں میں خلل
ہنس کے اس بحث پہ بولا کسی جانب سے حباب — پوچھئے موج سے ہے بھی اسے رُک جانے کی تاب
اپنے بس ہی میں نہیں ہے یہ تعلّی کیسی — اضطراری ہے روش شان ارادی کیسی
بہہ گئی موج یہ کہکر کہ میں مغرور نہیں — تجھ میں اے کوہ مگر روشنیٔ طور نہیں
بُلبلا ٹوٹ گیا کوہ بھی خاموش رہا — وہی حیرت رہی دریا کا وہی جوش رہا

۱۲۰۹ آزادی کا شور مبارک — یہ تقلیدی زور مبارک
میرا تو ہے اور ہی منظر — میں تو یہ کہتا ہوں اکبر
عارف کو بیہوشی زیبا — عاقل کو خاموشی زیبا

۱۲۱۰ میں بھی گریجویٹ ہوں تو بھی گریجویٹ — علمی مباحثے ہوں ذرا پاس آکے لیٹ
دونوں نے پاس کر لئے ہیں سخت امتحاں — ممکن نہیں کہ اب ہو کوئی ہم سے بدگماں
بولی یہ سچ ہے علم بڑھا جہل گھٹ گیا — لیکن یہ کیا خبر ہے کہ شیطاں ہٹ گیا

۱۲۱۱ کہتے تھے سابق میں سب اوپر خدا نیچے حضور — اس مقولے کو مگر بدلیں گے اب اہل شعور
زیر پا ہے ریلوے اور سر پہ ہے انجن کی بھاپ — اب یہ کہنا چاہئے نیچے بھی آپ اوپر بھی آپ

۱۲۱۲ مشرقی کو ہے ذوق روحانی — مغربی میں ہے میل جسمانی
کہا منصور نے خدا ہوں میں — ڈارون بولے بوزنا ہوں میں

ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست — فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ووٹ بازی

جب اک بھائی تھے اس منصب پہ ممتاز — تو پھر کیوں آپ نے کی جست و پرواز ۱۲۱۳
لگے کہنے کہ رہنے دیجئے پند — ہرا کیا بس مریداں مے پرانند

درخت جڑ پہ ہے قائم تو استوار بھی ہے — کبھی خزاں ہے اور اُس پر کبھی بہار بھی ہے ۱۲۱۴
خلاف اس کے کرے گی خرد جو بے صبری — نہیں اُٹھانے کا نیچر حکومت جبری
جو کوئی چاہے کہ قائم کرے نئی بنیاد — تو برگ و بار ندارد درخت بھی برباد
بنائے عظمت قومی ہے فطرتی اے یار — اُسی بنا سے ہے وابستہ ہر خزان و بہار
خیال وقعت ملت کا جس پہ ہے غالب — طریق راحت ذاتی کا وہ نہیں طالب
طریق حکمت و تزئیں ہر ایک رنگ میں ہے — نہ سمجھو یہ کہ فقط مغربی ہی ڈھنگ میں ہے
نگاہ غور کرو سوئے ٹرکی ویراں — نئی بنا پہ حریفوں نے کر دیا ویراں
تمھارے دل میں یہ کیا وہم کیا گماں آئے — تمھارے جسم میں کیوں دوسرے کی جاں آئے
جو تو نے بھائیوں کا اپنے ساتھ چھوڑ دیا — تو دستگیر نے تیرا بھی ہاتھ چھوڑ دیا
جو بات ٹھیک ہے کہتا ہوں میں اُسے کھل کر — کہ سلطنت نہ سہی تم رہو تو مل جُل کر

سمجھا رہے تھے مجھ کو کبٹ کی وہ گردشیں — خود کر رہے تھے تاک کی ٹٹی سے سازشیں ۱۲۱۵
نقشے میں دیکھتا تھا وہ پیتے تھے جام مے — میں نے کہا حضور یہ مضموں عجیب ہے
ہیں خود تو مست بادۂ عشرت کے خم سے آپ — اُلجھا رہے ہیں مجھ کو ستاروں کی دُم سے آپ
بولے کہ اس زمیں میں کوئی اور شعر بھی — میں نے کہا یہ بات مرے ذہن میں بھی تھی
اللہ رے ارتقائے سگان در حضور — کل تو سے تم ہوئے تھے ہوئے آج تم سے آپ

ہنس کر کہا اُنھوں نے اُلٹ بحث کا ورق ۔ گانے لگے وہ گیت میں پڑھنے لگا سبق

۱۲۱۶ خامشی سے نہ تعلق ہے نہ تمکین کا ذوق ۔ اب حسینوں میں بھی پاتا ہوں میں تبلیغ کا شوق

شان سابق سے یہ مایوس ہوئے جاتے ہیں ۔ بُت جو تھے دیر میں ناقوس ہوئے جاتے ہیں

۱۲۱۷ جب نکیرین آئے مری قبر میں بہر سوال ۔ میں نے یہ چاہا کہ لکھوا دوں انھیں سب اپنا حال

ہاتھ پاکٹ میں جو ڈالا مجھ کو حیرت ہو گئی ۔ یعنی تھی جو نوٹ بک وہ اس سفر میں کھو گئی

کہہ دیا میں نے کہ میں اب ہر طرح معذور ہوں ۔ رہ گئی دنیا میں میری نوٹ بک مجبور ہوں

۱۲۱۸ منشی کہ کلرک یا زمیندار ۔ لازم ہے کلکٹری کا دیدار

ہنگامہ یہ ووٹ کا فقط ہے ۔ مطلوب ہر اک سے دستخط ہے

ہر سمت مچی ہوئی ہے ہل چل ۔ ہر در پہ یہ شور ہے کہ چل چل

ٹم ٹم ہو کہ گاڑیاں کہ موٹر ۔ جس پر دیکھو لدے ہیں ووٹر

شاہی وہ ہے یا پیمبری ہے ۔ آخر کیا شے یہ ممبری ہے

نیٹو ہے نمود ہی کا محتاج ۔ کونسل تو ہے اُنکی ہی جن کا ہے راج

کہتے جاتے ہیں یا الٰہی ۔ سوشل حالت کی ہے تباہی

ہم لوگ جو اس میں پھنس رہے ہیں ۔ اغیار بھی دل میں ہنس رہے ہیں

دراصل نہ دین ہے نہ دُنیا ۔ پنجرے میں پھدک رہی ہے مُنیا

اسکیم کا جھولنا وہ جھولیں ۔ لیکن یہ کیوں اپنی راہ بھولیں

قوم کے دل میں کھوٹ ہے پیدا ۔ اچھے اچھے ہیں ووٹ کے شیدا

۱۲۱۹ کیوں نہیں پڑتا عقل کا سایہ ۔ اس کو سمجھیں فرض کفایہ

بھائی بھائی میں ہاتھا پائی ۔ سلفت گورنمنٹ آگے آئی

۱۲۲۰ پانوں کا ہوش اب فکر نہ سر کی — ووٹ کی دھن ہے یہ بن گئے پھرکی

۱۲۲۱ ہاں تو ہے ہوس کا دستر ہے پالسی کا — لیکن ادھر تصور جاتا نہیں کسی کا

ہے کوفت لیکن اس پہ مسرور ہو رہے ہیں — ہر سُو اُچھل رہے ہیں اور چور ہو رہے ہیں

اس قبلہ رو جماعت کا انتشار دیکھو — اس باغ میں خزاں کی اکبر بہار دیکھو

لکھے گا کلک حسرت دنیا کی ہسٹری میں — اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

۱۲۲۲ یہیں کے پیدا یہیں کی رنگت یہیں کی بولی یہیں کا کھانا

تو پھر تفاوت ہو کیوں سُروں میں ہر اک کو بہتر ہے دیس گانا

رہے فرنگی، سو اُن کی سیوا ہر ایک پر آپ فرض کر دیں

جو خاص مطلب ہوں اپنے اپنے الگ الگ جا کے عرض کر دیں

جو باہمی بحث ہو تو باہم ہم اس پہ قال اقول کر لیں

جو فیصلہ ہو قبول کر لیں جو خارجی ہو تو بھول کر لیں

برادرانہ محبتیں ہوں، جئیں مزے سے خوشی منائیں

نہیں ہے اس میل کا یہ مطلب کہ ہم گورمنٹ کو ستائیں

۱۲۲۳ نیچر کو ہوئی خواہش زن کی اور نفس نے چاہا رشک پری

شیطان نے دی ترغیب کہ ہاں لذت تو ملے زانی ہی سہی

نیچر کی طلب بالکل ہے بجا اور نفس کی خواہش بھی ہے روا

شیطان کا ساتھ البتہ بُرا اور خوف خدا ہے اس کی دوا

نیچر کی توحد میں تقوے ہے اور نفس پہ کچھ الزام نہیں

ہاں ساتھ اگر شیطان کا ہو تو نیک ترا انجام نہیں

۱۲۲۴ دراصل نفس کی چالاکیاں ہیں گھاتیں ہیں — جو دیکھئے تو دکھاوے کی سب یہ باتیں ہیں
نہ قوم کی تمھیں الفت نہ قوم کا ہے وجود — فقط یہ پولٹکل انجزات کا ہے صعود
تمھارے سامنے کچھ مغربی ضوابط ہیں — یہ اسم و فعل نہیں ہے فقط روابط ہیں
نہ قوم ساتھ تمھارے نہ تم ہو قوم کے ساتھ — تمھارا پیٹ تمھارا منھ اور تمھارا ہاتھ
خداپرست کے تیور ہی اور ہوتے ہیں — خطا معاف وہ جوہر ہی اور ہوتے ہیں

۱۲۲۵ اسی درجے میں دنیا کے اگر کوئی معزز ہے — سمجھتا ہے کہ یہ اعزاز ہی بس میرا مرکز ہے
اگر ایسا سمجھتا ہے سراسر اُس کی نادانی — وہ عزت اک تماشا ہے وہ حالت اس کی ہے فانی
بناءِ نفس بیشک ہے مگر مرکز نہیں دل کا — اسی پر مطمئن رہنا نہیں ہے کام عاقل کا
وہ کہتا ہے کہ دل کیا چیز ہے بس نفس کی خواہش — وہ کہتا ہے کہ باطن کیا فقط اعضا کی ہے سازش
اگر یہ اس کی نادانی ہے کم فہمی کی ہیں باتیں — یہ بےعقلی کے دن ہیں اور یہ غفلت کی ہیں راتیں
بشر اک نوبت ہستی میں جب مایوس ہوتا ہے — حقیقت اپنی تب کھلتی ہے دل محسوس ہوتا ہے
اگر یادِ خدا مرکز ہے تسکیں اُس کو ہوتی ہے — وگرنہ بیکسی میں جان اندر تن کے روتی ہے

۱۲۲۶ ایمان پہ ہے قائم جو رہا پیدا ہوئی آخر شکل کوئی — بالکل ہی سکون اس میں جو نہ ہو پھر دائرہ تحقیق کہاں
ہر بات پہ جس نے شک ہی کیا وہ صرف پریشاں باطن تھا — پرکار سے نقش اُس وقت بنا اک جزو جب اس کا ساکن تھا

۱۲۲۷ مخلوق ہی کا موجہ ہے رب کا ذکر کیا — مطلب ہی کا غلام ہے مذہب کا ذکر کیا
غیرت ہی جب نہیں ہے تو ایمان ہو چکا — انسان ہی نہیں ہے مسلمان ہو چکا

۱۲۲۸ خس کی یہ معذرت ہے موجوں کے ساتھ ہم ہیں — موجیں یہ کہہ رہی ہیں قدرت کے ہاتھ ہم ہیں
دریا رواں ہیں ہر سو چشمے اُبل رہے ہیں — جس راہ لگ گئے ہیں اُس راہ چل رہے ہیں

۱۲۲۹ غم سے عبرت کا نور حاصل ہے — غم نہایت مجلّیِ دل ہے

غم سے مطلب وہ غم جو داغ بنے ۔ نہ وہ جو رسم کا چراغ بنے

۱۲۳۰ مذہب ہے امرِ قومی سمجھو نہ فعلِ ذاتی ۔ معذور سب ہیں اس میں گنگو ہوں یا وفاتی
شیعہ ہوں خواہ سنی لالہ ہوں یا برہمن ۔ مذہب کو موروثوں سے سب پاتے ہیں عموماً
پولٹیکل ضرورت بیشک تھی اس کی اول ۔ اب اس طرف توجہ لازم ہے صرف سوشل
اچھا برا نہ کہہ دو تم مذہبی بنا پر ۔ اخلاق اُس کے دیکھو اصلی تو یہ ہے جوہر
تعلیم ہے جو عمدہ صحبت اگر ہے اچھی ۔ پاؤ گے اُس کو اچھا طینت اگر ہے اچھی
ناری ہے یا کہ ناجی اس کا بیان نہیں ہے ۔ سوشل طریق یہ ہے اور وہ تو رازِ دیں ہے

۱۲۳۱ جناب فاطمہؓ کے مرتبے کا کیا کہنا ۔ ہمیشہ چاہیے اُن پر درود خواں رہنا
جنابِ حیدرِ کرار کی وہ ہیں بی بی ۔ حسنؑ حسینؑ کی ماں ہیں رسولؐ کی بیٹی

۱۲۳۲ ذرے ہیں چند جن کو صنعت اُبھارتی ہے ۔ اک خاک عبرت آگیں لیکن پکارتی ہے
اس انجمن میں ہم بھی اک رات جل چکے ہیں ۔ تم شمع بن رہے ہو اور ہم پگھل چکے ہیں

۱۲۳۳ ہر طرح راحت تھی مجھ کو دانت سے ۔ قافیہ اُن کا ملا تھا آنت سے
صحت اب بگڑی تو ان میں درد ہے ۔ اس طرف دیکھو تو معدہ سرد ہے
خوابِ راحت کس کو کھانا کون کھائے ۔ رات بھر کرتا رہا ہوں ہائے ہائے
درد کے آگے رہا منجن بھی گرد ۔ مصطگی بھی رہ گئی با روئے زرد

۱۲۳۴ یوں تو دونوں ہی ہیں مصروفِ عبادت میں مگر ۔ ایک نکتہ ہے نظر چاہیے جس پر اکبر
اہلِ ظاہر تو فقط حکمِ خدا پاتے ہیں ۔ اہلِ باطن تپشِ دل کی دوا پاتے ہیں

۱۲۳۵ بے حد اس بات سے ہوں جلتا ۔ مجھ سے مرا دل نہیں بہلتا
ہے شوق سوسائٹی میں مستی ۔ کیا خاک ہے یہ خدا پرستی

عزلت سے پناہ چاہتا ہوں — گپ شپ ہی کی راہ چاہتا ہوں
اللہ کے واسطے جو ملتے — بے شبہہ گلِ مراد کھلتے

۱۲۳۶ کہاں کا گیان اور دھیان کیسا خدا کہاں کا کہاں کے وشنو
عمل کے بدلے اسی کا غل ہے ببیں و بشنو ببیں و بشنو
صدائے فونوگراف بشنو ببیں تماشائے لمپ برقی
ز سینۂ و دلِ مجو تجلی خموش کن شمع ہائے شرقی

۱۲۳۷ رہنا باطن کا ہو کوئی حضر یہ خوب ہے — اس حضر پہ سب سے لڑنا یہ مگر معیوب ہے
اپنے اپنے حضر سے ہر ایک رکھے دل کو شاد — نام ہے اللہ واحد کا برائے اتحاد

۱۲۳۸ اک اُٹھا کشور کشائی کے لئے — اک اُٹھا حق کی صفائی کے لئے
جنگ میں دنیا رہی القصہ غرق — ہاں سکندر اور موسیٰ کا ہے فرق

۱۲۳۹ حافظِ شیراز کا کیا پوچھنا تھے خوش بیاں — اُن کا یہ مطلع ہے اب تک انجمن میں بر زباں
دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما — چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما
حضرت اکبر بھی لیکن اس زمانے میں ہیں فرد — اُن کا یہ مطلع کوئی پڑھتا تھا کل با آہِ سرد
دوش از صحنِ حرم آمد بہ کالج قومِ ما — دیدنی گردیدہ است اکنوں صلوٰۃ صومِ ما

۱۲۴۰ ایک ہی موجِ قضا میں غفلتیں بہ جائیں گی — سرکشوں کی گردنیں اپنی جگہ رہ جائیں گی
ساقیٔ بزمِ فنا کا لب پہ کپ آنے تو دو — کبر کی اُڑ جائے گی قلعی وہ تپ آنے تو دو

۱۲۴۱ بدن طاہر ہوا اور توحید دل میں — تو ہم اچھے ہیں اپنے آب و گل میں
شگفتہ رکھے گی ہم کو طہارت — جھکا ہی دے گی دل طاعت یہ وحدت

۱۲۴۲ اُس کا گھوڑا جس کی کاٹھی — بھینس اُسی کی جس کی لاٹھی

زور بٹھا دے تھانے تھانے　　دنیا دیکھے دنیا مانے
تجھ کو تو ہے خالی جھپنا　　اس سے اچھا ہر کو جپنا

۱۲۴۳ غلط بالکل یہ دعویٰ ہے خدا کو جان سکتے ہیں　　مگر یہ صاف ظاہر ہے خدا کو مان سکتے ہیں
تعجب کیا اُسے محدود ہستی نے نہیں جانا　　تعجب ہے اگر محتاج ہستی نے نہیں مانا

۱۲۴۴ دسمبر میں وہ دوڑے بے تحاشا　　لگا ہونے ترقی کا تماشا
زباں گنجینۂ لفظی میں لکھ لٹ　　چلی اسپیچ کے میداں میں بکٹٹ
ہوئی جب جنوری روکڑ کی طالب　　رپٹ لکھوا گیا قومی محاسب
مفاعیلن مفاعیلن فعولن　　مفاعیلن مفاعیلن فعولن

۱۲۴۵ قوتِ طبع اگر صرف کرو اے اکبر　　تو فقط دشمنِ توحید پہ لازم ہے نظر
کیوں پئے طعن کسی مسلم بدنام کو ڈھونڈھ　　بحث کرنا ہے تو بیگانۂ اسلام کو ڈھونڈھ
باہمی کشمکش و طعن کا ہنگام نہیں　　کید اغیار سے مسلم کو جب آرام نہیں

۱۲۴۶ اتحاد مذہبی اہل جہاں میں ہے محال　　بہر اصلاح انتظار اس کا ہے اک وہم و خیال
اختلافِ باہمی سے چاہئے قطع نظر　　ورنہ دخل غیر سے ہرگز نہ پاؤ گے مفر
لعن و طعن آپس میں سمجھو عقل و مردی کے خلاف　　عادتیں ہیں ہسٹری ہے سب کو تم رکھو معاف
ہاں عمل اُس پر کرو جس کو کہ خود سمجھو صحیح　　محترز اُس سے رہو جس کو غلط سمجھو صریح
زور سے دبتی ہے دنیا یہ نہیں تو کچھ نہیں　　حکم سے چلتا ہے کہنا یہ نہیں تو کچھ نہیں

۱۲۴۷ ہو جاؤ کھڑے کہیں جو قومو　　بیٹھے جو رہیں فلا تلومو
آں را کہ قیام یا قعود است　　بگذار کہ مائل سجود است

۱۲۴۸ یہ عزم ترا سعی سے دمساز ہو کیونکر　　اسباب نہ ہوں جمع تو آغاز ہو کیونکر

اسباب کرے جمع خدا ہی کا ہے یہ کام　　طالب ہو خدا ہی سے دعا ہی کا ہے یہ کام
بے طاعت و نیکی نہیں تاثیر دعا کچھ　　آنے کی نہیں کام فقط حرص و ہوا کچھ
منظور اگر کبر و تفاخر کا سبق ہے　　تخصیص تری کیا ہے حریفوں کو بھی حق ہے
یہ کشمکشِ فطرت دنیا ہے مسلسل　　اک آج اگر صاحب طاقت ہے تو اک کل
نیکی کی طرف رُخ ہو یہی ناموری ہے　　کھوٹے کو جُدا کر دے وہی بات کھری ہے

۱۲۴۹ ہیں جو کمزور وہ قاضی سے مدد مانگتے ہیں　　اور جو ہیں کور وہ ماضی سے مدد مانگتے ہیں
مردِ بینا کو فقط ارض و سما کافی ہے　　یہی نظارہ پئے یادِ خدا کافی ہے
یاد رکھو کہ یہ ہے ملتِ ابراہیمی　　اتنا ہی کہہ دیا آواز ہے بہتر دھیمی

۱۲۵۰ آغاز یہ تھا کہ دل بڑھا تھا　　جو بت تھا نگاہ پہ چڑھا تھا
انجام یہ ہے کہ مر رہے ہیں　　اللہ اللہ کر رہے ہیں

۱۲۵۱ راویوں کا اور شاعر کا بتاؤں تم سے فرق　　آسمانِ مطلب و معنی یہ دونوں ہی ہیں برق
وہ سُنایا کرتے ہیں تم کو کہ کس نے کیا کہا　　یہ یہ کہتا ہے کہ مجھ سے میرے حس نے کیا کہا

۱۲۵۲ اگرچہ لوگوں نے لکھا ہے حال بعد وفات　　مگر کوئی بھی نہیں کہہ سکا یقینی بات
جو ٹھیک بات ہے وہ ہم کو ہو گئی معلوم　　ہمارے شعر کی دنیا میں مچ گئی ہے دھوم
بتائیں آپ کے مرنے کے بعد کیا ہوگا　　پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

۱۲۵۳ میسر جب آجائے خوانِ نعیم　　تو لازم ہے شکرِ خدائے کریم
بہت ہے یہ بیجا کہ کھا کر پلاؤ　　کہو تم متنجن بھی کچھ ہو تو لاؤ

۱۲۵۴ سلف کی بھی تھی اک پولیٹکل مد　　مگر اُس وقت کی تھی مختصر حد
بہت کم تھے رسائی کے دلائل　　الگ تھے اپنی قوت میں قبائل

تو اپنے وقت کا جغرافیہ دیکھ — یہ مضموں اور اپنا قافیہ دیکھ

×

ترجمے والے کرتے ہیں محنت — پا لیتے ہیں اپنی اُجرت ۱۲۵۵
سینے ہو جاتے ہیں خالی — بھرتی جاتی ہے الماری
دل کا کورس تو ٹھہرا غربی — لب پر اُردو ہو یا عربی

❊

اُدھر برگد کا مُلّا ہے اِدھر مندر کا صوفی ہے — نہ اُس میں بیوقوفی ہے نہ اس میں بیوقوفی ہے ۱۲۵۶
اُدھر وہ بھی اُٹھائے ناز مستانہ حکومت کا — ادھر یہ بھی بنا ہے راز پیرانِ طریقت کا
فلک کھولے گا ان پر جب کبھی میدان مردی کا — تو قصہ ختم ہوگا ذہن کی آوارہ گردی کا

❊

اک مصیبت میں ہے سادھو ہے کوئی یا سیٹھ ہے — ہے تو یہ ساون مگر حکم خدا سے جیٹھ ہے ۱۲۵۷
سچ تو ہے گردوں کو راہ مہربانی کیوں ملے — آگ جب یورپ میں برسے ہم کو پانی کیوں ملے

×

یا الٰہی جلد ہو بارانِ رحمت کا نزول — یہ دعا لازم ہے سب کو چھوڑ کر کار فضول ۱۲۵۸

❊

مذہب کے باب میں کوئی کس کو بدل سکے — یہ تو وہ کر سکے کہ جو حس کو بدل سکے ۱۲۵۹
حس امر فطرتی ہے خدا ہی کی شان ہے — منطق سے پہلے عادت و حس کی اُٹھان ہے
میلان طبع ہوتا ہے قائم شروع میں — پھر اس کے آگے رہتی ہے منطق رکوع میں
اس کے خلاف کچھ جو کہیں ہو وہ شاذ ہے — یا جبر یا وہ مصلحتوں کا نفاذ ہے

❊

انفلوئنزا چڑھا چوگان بازی اب کہاں — اسپتالی ہو رہے ہیں اسپتا زی اب کہاں ۱۲۶۰
چارے کی قلت ہوئی تو بیل بھی مرنے لگے — انفلوئنزا ہوا کرنیل بھی مرنے لگے
آدمی بھی تنگ ہیں اور جانور بھی زیر ہیں — عقل کی سڑکوں پہ بھی بیماریوں کے ڈھیر ہیں
کیا کھلے گیہوں کی منڈی کیا دکان جو لگے — موت کے دھڑکوں ہیں بہتر ہے خدا سے لو لگے
ہم میں ٹیڑھا پن جو آجائے تو وہ سیدھا کرے — دیوتا بگڑیں تو پھر سرکار اس کو کیا کرے

	سب کو لازم ہے دعا مانگیں خدا سے رات دن	حد زیادہ کی نہیں لیکن کم از کم سات دن
۱۲۶۱	ہو اگر اکبر تمھیں شوق صراط مستقیم	دیکھ لو قرآن میں من یعتصم باللہ کو
۱۲۶۲	یاد آ رہی ہے مجھ کو موسی کی گفتگو اب	ہوں محو استعینوا باللہ واصبروا اب
۱۲۶۳	طاعت باری سے دل کو شاد رکھ	انّ وعد اللہ حقٌ یاد رکھ

مہاراجہ کشن پرشاد رئیس دکن بالقابہ

۱۲۶۴	رحلت فرزند سے ہیں راجہ صاحب درد مند	شاد کا دل اس مصیبت سے بہت ناشاد ہے
	اکبر خونیں جگر اس غم میں ہے خود مبتلا	اس کے لب پر بھی فغان و آہ و فریاد ہے
	حرف تسکین و تسلی کیا زباں پر لائے وہ	شاد خود صوفی ہیں ان کو درس حکمت یاد ہے
	رحمت حق پر نظر ہے اور یہی ہے التماس	منزل ہستی کی یہ اک فطرتی افتاد ہے
	لطف اشفاق خدا کی گود میں پلتا ہے وہ	جنت الفردوس اس کے دم سے اب آباد ہے
	اس تصور میں رہے مہراج کی طبع بلند	یعنی اب عثمان پر شاد آسماں پر شاد ہے
۱۲۶۵	لفظوں میں اجتماع نہ معنی میں نور ہے	ویران آج کوچۂ بین السطور ہے
	شبلی کا خامہ صفحۂ ہستی سے اٹھ گیا	اب مد آہ و لوح دل ناصبور ہے
۱۲۶۶	مشتاق ترا اکبر رنجور بہت ہے	افسوس یہی ہے کہ دکن دور بہت ہے
۱۲۶۷	شبلی ہی اٹھ گئے تو میں اب جاؤں کس کے پاس	شعر و سخن کی بزم نظر آتی ہے اداس
	ڈھونڈھا جو دل نے مادۂ سال انتقال	پھرنے لگا نگاہ میں یار سخن شناس

۱۳ ۳۲ ہجری

سر علی محمد صاحب راجہ محمود آباد

۱۲۶۸ ہیں حضرت ساحر آج اک حسن کمال ہے مخزن حکمت و خرد اُن کا خیال

اشعار اکبر کے کیوں نہوں یاد اُن کو راجہ کے گھر میں موتیوں کا کیا کال

سید فضل الحسن حسرت موہانی

۱۲۶۹ تھا دل حسرت بھرا ارمان میں ہم نے لکھ بھیجا اُنھیں موہان میں

بھائی صاحب رکھ دو تم اپنا قلم ہاتھ میں لو اب تجارت کا علم

ہو چکی غیروں سے خویشی کی بہار بس دکھاؤ اب سودیشی کی بہار

کام کو اُٹھو چڑھاؤ آستیں لَایُضِیۡعُ اللہ اجر المُحۡسِنِیۡن

اقبال

۱۲۷۰ حضرت اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں قوم کی نظریں جو اُن کے طرز کی شیدا ہوئیں

یہ حق آگاہی یہ خوش گوئی یہ ذوق معرفت یہ طریق راستی خودداری بے تمکنت

اس کے شاہد ہیں کہ اُن کے والدین ابرار تھے با خدا تھے اہل دل تھے صاحب اسرار تھے

جلوہ گر ان میں اُنھیں کا ہے یہ فیض تربیت ہے ثمر اس باغ کا یہ طبع عالی منزلت

مادر مخدومہ اقبال جنت کو گئیں چشم تر ہے آنسوؤں سے قلب ہے اندوہگیں

روکنا مشکل ہے آہ و زاری و فریاد کو نعمت عظمیٰ ہے ماں کی زندگی اولاد کو

اکبر اس غم میں شریک حضرت اقبال ہے سال رحلت کا بیاں منظور اُسے فی الحال ہے

واقعی مخدومۂ ملت تھیں وہ نیکو صفات | رحلتِ مخدومہ سے پیدا ہے تاریخ وفات

۱۲۷۱ فخرِ ملت تھے مہدی مرحوم[1] پہ کیوں نہ غم انکا ہو ہر اک دل کو | سال رحلت کا مادہ اکبرؔ مومنِ پاک بے نظیر لکھو

۱۲۷۲ صدمۂ فرقت میں کر کے مبتلا | آج ہاشم عازمِ جنت ہوا

قوتِ بازوئے عشرت چل بسی | اور مرا نورِ نظر رخصت ہوا

۱۲۷۳ چوک کی مسجد الہ آباد میں ممتاز ہے | شہر میں سارے مسلمانوں کو اس پر ناز ہے

وسعت و رفعت میں تھی محسوس لیکن کچھ کمی | تنگ ہوتی تھی جگہ جب ہوں زیادہ آدمی

دین میں راسخ ہیں عبدالکافی نیکو صفات | ان کی باتوں میں اثر ان کے ارادوں میں ثبات

کی انھیں نے سعی دل سے اور لگائی جو ہے لو | ہو گئی آخر خدا کے فضل سے تعمیر نو

ہو گئی کافی جگہ اسلام کے اقبال سے | کہہ رہی ہے مسجد اپنی زبانِ حال سے

مسجدِ کافی کی شان آسمانی دیکھئے | خاکساروں کی بلندی کی نشانی دیکھئے

مرثیہ ہاشم مرحوم

۵۔ جون ۱۹۱۳ء

۱۲۷۴ آغوش سے سدھارا مجھ سے یہ کہنے والا | ابا سنائیے تو کیا آپ نے کہا ہے

اشعارِ حسرت آگیں کہنے کی تاب کس کو | اب بہرِ نظر ہے نوحہ ہر سانس مرثیہ ہے

آگرہ میں مقدمہ ہوا تھا

(ایک میم نے شوہر کو زہر دیا ایک صاحب نے اپنی میم کو قتل کیا)

۱۲۷۵ حالِ مسز کلارک و مسٹر فلم کھلا | تھا کل بیان پیش عدالت کھلم کھلا

ان کو کرایا قتل اور ان کو پلایا زہر | تہذیب مغربی کی یہ تکمیل اور قہر

پردے پہ اعتراض ہوا اور زہر ہو روا | پالیٹکس پہ طعن ہوا اور یہ ستم روا

[1] رئیس جائس اودھ وکیل الہ آباد سنہ ۵۲ تعدادِ ازدواج۔

لاکھوں مقدمات ہوئے بغض کھل گئے — گذرا زمانہ یاد کے دامن سے دھل گئے
فتنے کا ہے قصور نہ مفتون کا قصور — سب کچھ ہے یہ خرابیٔ قانون کا قصور
پردہ نہیں طلاق میں آسانیاں نہیں — جائز کہیں تعدد ازواج یاں نہیں
فطرت کا اقتضا جو ہے کس طرح وہ رُکے — پھر کیوں گناہ جرم کی جانب نہ دل جھکے
آسان ہو طلاق تو دل شاد کیجئے — بے قتل غیر اپنا گھر آباد کیجئے
پردہ جو ہو تو ایسے مواقع بھی کم ملیں — کیوں بزم مے میں شوخ نگاہیں بہم ملیں
قانون میں روا ہوا گر دوسرا نکاح — پھر کیوں یہ قتل زوجۂ اولیٰ کا ہو مباح
جب پردہ و طلاق تعدد روا نہیں — پھر بد معاشیوں کے سوا کچھ دوا نہیں
جانیں ہزاروں جاتی ہیں بچے بلکتے ہیں — مستان مے جگہ سے بھلا کب سرکتے ہیں
مغرب کا دل جو خواہر مشرق کے ساتھ ہے — یہ بھی گھروں میں اُن کے لئے ملتی ہاتھ ہے
اکثر یہی ہے حالتِ قانون مغربی — آزادیوں کی قید میں روح ان کی ہے پھنسی
بس ظاہری نمود چمک اور ادا میں ہے — دل کی خبر نہیں ہے کہ وہ کس ہوا میں ہے
کچھ ہے اس طرف تو ادھر بیہشی بھی ہے — اس سمت ناچ ہے تو اُدھر خودکشی بھی ہے
تعلیم عورتوں کی ضروری ہے لاکلام — لیکن جو یہ اثر ہے تو بس دور سے سلام
ہم کو کمال شوق سے تعلیم دیجئے — لیکن کچھ اپنے گھر کی بھی اصلاح کیجئے
ہم فائدہ اُٹھائیں گے مغرب کے راج سے — لیکن پناہ مانگیں گے ایسے رواج سے

(حسب فرمائش محمد عبد الرشید صاحب آرزو سوداگر دہلی)

دماغ کے لئے خوشبو کا کھیل اچھا ہے — ہوا بھی مست ہوئی ہے کہ تیل اچھا ہے ۱۲۷۶

اِم آر آرزو کی یہ ترکیب دیکھئے — نیٹو کو رنگ روپ میں مسٹر بنا دیا ۱۲۷۷

تاثیر میں مفید بنولے کا تیل تھا　　خوشبو میں بھی اب اس کو لونڈر بنا دیا

(وکیل پنجاب)

۱۲۷۸ الف دین نے خوب لکھی کتاب　　کہ ب دین نے پائی راہ صواب

بست روزہ پسر سید عشرت حسین سلمہ جس کی تاریخ ولادت (سید ظفر امام) تھی

۱۲۷۹ نظر امید کی اک غنچۂ دلکش کو تکتی تھی　　فلک نے ناشگفتہ اس کو لیکن کر دیا رخصت

سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسم اس باغ ہستی کا　　بہ صد حیرت کہی تاریخ رمز گلشن فطرت

۱۳۳۶ھ

(حسب فرمائش پنڈت مدن موہن صاحب مالوی)

۱۲۸۰ محرم اور دسہرہ ساتھ ہوگا　　نباہ اس کا ہمارے ہاتھ ہوگا

خدا ہی کی طرف سے ہے یہ سنجوگ　　تو کیوں رکھیں نہ باہم صلح ہم لوگ

۱۲۸۱ مالوی کا مال کچھ اور مولوی کا مول کچھ　　کہتے ہیں بازار میں اکبر سے تو بھی بول کچھ

بولا وہ دنیا کا سودا تو فقط اک کھیل ہے　　عمدگی ہے مال میں اور مول میں جی میل ہے

۱۲۸۲ مرے عزیز ہیں شیعہ میں کس طرح یہ کہوں　　کہ میں ہوں خوش جو ہوئی اُن کی درسگاہ جُدا

دلی دعا ہے مگر یہ کہ رکن قوم رہیں　　گرہ جو بیٹھ دہ ہوں سب کے ساتھ خواہ جدا

بنائے کالج شیعہ الگ ہوئی بھی تو کیا　　وہی ہے منزل مقصود گو ہے راہ جدا

برائے دولت و آنر ہے ایک ہی مرکز　　نہیں ہے اب بھی طریق حصول جاہ جدا

یہ دونوں سایۂ الطاف مغربی میں ہیں　　نہیں ہے فضل الٰہی سے بادشاہ جُدا

جو نسخہ تھا رزولیوشن کا ہے ادھر بھی وہی　　نہ کوئی حصن جدا ہے نہ ہے سپاہ جُدا

یہ دونوں اب بھی بدستور ہیں بھائی ہیں　　نہیں ہے حرج جو ہو جائے خانقاہ جُدا

ٹرین ایک ہے پھر کیا جو دو ٹکٹ گھر ہوں　　کہ اپنا بیگ سنبھالیں ملے پناہ جُدا

وہ شیخ کی تھی ترقی یہ مجتہد کا عروج — نئے طریق کے ہیں خوب دو گواہ جدا
شبِ وصال کے نغمے الگ چھڑے دو سمت — جنھیں ہے ہجر وہ کر لیں گے اپنی آہ جدا
عجب نہیں جو بلندی و اتحاد بڑھے — دکھائے رنگ جو دنیا کا انتباہ جدا
ہزار دور ہوں۔ اپنے جو ہیں وہ اپنے ہیں — کسی کی آنکھ سے ہوتی نہیں نگاہ جدا
مگن ہیں ٹیچر و انجینیر رہے ذاکر، — وہ کر ہی لیں گے کسی طور سے نباہ جدا
ثواب نیک خیالی بھی پائے گا اکبر — سوسائٹی میں بزرگوں کی واہ واہ جدا

۱۲۸۳ حسن نظامی کو میں نے دیکھا شریف خصلت نقیر طینت — عمل ہے اپنی ہی عنصروں میں اگرچہ دہلی کی ہے ذہانت
عناں اندیشہ ہائے مضطر ادھر ادھر گو کبھی مڑی بھی — وہ دست دل ہے کہ جس سے چھوٹی کبھی نہ حبل المتین وحدت
ضمیر میں ان کے ہے تصوف معاشرت میں ہیں بے تکلف — فروع جو کچھ بھی پیش آئیں اصول میں ان کے ہے قناعت

وفات دختر جناب منشی افتخار حسین صاحب کاکوروی ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ،

۱۲۸۴ چل بسی وہ دختر گل پیرہن — ہو گیا ویراں ہمارا باغ آہ،
سال رحلت کیا کہوں اے افتخار — دیکھتے ہی ہیں جگر میں داغ آہ

۱۲۸۵ فغاں کہ سوخت زغم جانِ افتخار حسین — دلش فسردہ شد از جور عالم فانی
شمیم فاطمہ دخت عزیز و نور نظر، — نہال نورس و زیبا بباغ امکانی
جمالِ صورتِ معنی خمیر ہستی او — بہ خلق نجم سعادت بخلق لاثانی
فغاں کہ دست اجل پنجہ زد بدامنِ او — کشید رخت اقامت ز عالم فانی
بہارِ گلشنِ ہستی ہنوز نا دیدہ — پرید طائر روحش بحکم یزدانی
فراق لخت جگر راز والدین بپرس — چہ بر قیامت کہ بیفگند سوز پنہانی
ہزار شعلۂ حسرت کہ سر زد از دلہا — ہزار اشک مصیبت کہ کرد طغیانی

چو فکر سالِ وفاتش نمودم از سرِ آہ | شمیم خلد شدہ گفت فضلِ رحمانی

۱۲۸۶ یہ تھا قولِ حمید اُترے تھے جب وہ تختِ شاہی سے | جو پیش آیا ہے پیش آیا ہے تقدیرِ الٰہی سے
جو زار روس اُترے تخت سے اُن کا یہ شکوا تھا | اُنھیں نے دی دغا ہمکو ہمیں جن پر بھروسا تھا
انھیں تو لوں نے کھینچا عبرت و حسرت کا نقشا بھی | انھیں سے ہے عیاں طرزِ خیالِ دین و دنیا بھی

۱۲۸۷ خدا کے بندۂ صالح نقی محمد خاں | سپہرِ علم و خرد کے ہیں اخترِ تاباں
کتاب اُن کی یہ ہے ہادیٔ طریقِ صواب | ملا ہے ہم کو یہ گنجِ جواہرِ خوش آب
جو غنچۂ قلب کا تاریخ کی طلب میں کھلا | کلیدِ خلق و سعادت میں سال طبع ملا
۱۳۱۵ھ

۱۲۸۸ نورِ باطن بڑھ گیا اعجوبۂ اسرار سے | دل نے پائی تقویت اس روح کے غمخوار سے
پردۂ غفلت اُٹھا دیتے ہیں وہ مضموں یہ ہیں | پھیر دیتے ہیں طبیعت دہر کے بازار سے
ہیں مصنف اس زمانے کے بڑے عالی خیال | واقعی یہ ہے کہ ہیں وہ فرقۂ ابرار سے
بند ہے اس وقت چشمِ عبرتِ عرفاں تمام | ہاں لیا ہے کام اُنھوں نے دیدۂ بیدار سے
ہے بجا اعجوبۂ اسرار کے نسبت یہ قول | دولتِ ایماں بڑھی تصنیفِ گوہر بار سے

(حسب فرمایش سید منظور حسن صاحب اختر زیدی مصنف قصیدہ ہدیۂ حیدری)

۱۲۸۹ کس قدر پُر نور ہے یہ نظم مدحِ بوتراب | یہ بلاغت حیرت افزا یہ فصاحت لاجواب
اس قصیدے سے ہوئے روشن زمین و آسماں | اوجِ معنی پر دلِ اختر سے نکلا آفتاب

۱۲۹۰ جناب سید مہدی حسن خجستہ صفات | بلند مرتبہ ذی علم مصدرِ حسنات
سدھارے دارِ فنا سے وہ سوئے خلدِ بریں | سنہ وفات کا خواہاں ہوا جو قلبِ حزیں
پڑھا یہ ہاتفِ غیبی نے مصرعۂ جید | مقیمِ خلدِ بریں مہدیِ حسن سید

لہ ڈپٹی کمشنر جبل پور

۱۲۹۱ ماجد کو آپ سمجھیں بیگانۂ طریقت — دل میں مرے تو ہے اک امید کا قصیدہ
ہیں غالباً وہ مصداق اس شعر با اثر کے — ارشاد کر گیا ہے اک مرد برگزیدہ
من پاک باز عشقم ذوق فنا چشیدہ — آہوئے دشت ہوئیم از ماسوا رمیدہ

(مسٹر برن سابق چیف سکریٹری گورنمنٹ یو پی حال کمشنر بنارس۔ فارسی۔ اردو میں بہت قابل مصنف کے بڑے قدرشناس۔ کلام عارفانہ و حکیمانہ کے شیدا

۱۲۹۲ شاعروں میں جب آیا میرا ٹرن — پڑھ دیا میں نے پیش حضرت برن
اردو فارسی میں آپ ہیں برق — آپ ہی سے ہے نور مطلع شرق
صاحب فیض و لطف و حلم ہیں آپ — عزت افزائے اہل علم ہیں آپ
حق تعالیٰ کو مانتے ہیں آپ — قدر طاعت کی جانتے ہیں آپ
فخر و ناز آپ کے لئے ہے مباح — اک زمانہ ہے آپ کا مداح
آپ سے مل کے دل کو راحت ہے — ایسا حاکم خدا کی رحمت ہے
آپ کا دل ہے مخزن ہمہ اوست — جو ملا آپ سے بنا وہ دوست
ہے بلند آپ کے کرم کا علم — ہیں مرید آپ کے سب اہل قلم
ساز بزم آپ کا رہے برتر — ہو مبارک ترانۂ اکبر

(عطائے شمشیر بہ شیخ شاہد حسین صاحب رئیس اودھ بہ صلۂ خدمات ایام جنگ)

۱۲۹۳ حسن کو ابروئے خمدار مبارک ہووے — مرے شاہد کو یہ تلوار مبارک ہووے

بمقام جون پور بنگلہ سید عشرت حسین سلمہٗ

فضل ہو اللہ کا ہوں جمع سالے سالیاں — وہ اچھالیں بال یہ چمکائیں اپنی بالیاں
لمپ کی ہو جگمگاہٹ اور بجے فونوگراف — عشرتی جھوما کریں بجے بجائیں تالیاں

گھر رہے آباد سمدھی اور سمدھن خوش رہیں — ڈومنی انعام پائے گائے پیاری گالیاں
گرد بنگلے کے رہے سرسبز ہر شاخ درخت — نہر کے پانی سے لہراتی رہیں سب نالیاں
ڈھیر ہو پھولوں کا گلدستے بنائے باغباں — پیڑ پھل دیتے رہیں مالی لگائیں ڈالیاں
سونے چاندی کی ہمیں موجیں دلہن کے ہاتھ سے — لیں بلائیں ور دعائیں دیں انھیں گھر والیاں
غل مچائیں کھیل میں بچے رہے بنگلے میں دھوم — میہمانوں کیلئے پکوان کی ہوں تھالیاں
جھانک کر دیکھیں تو جج صاحب کا دل بھی ہو نہال — کمرے کی دیوار میں در اک بنی ہوں جالیاں

محمد موسیٰ صاحب برادر خرد شمس العلماء مولوی امجد علی صاحب ام اے

۱۲۹۴ بھیجی جو تم نے مجھکو لیچی — شربت کی نظر ہے اس سے نیچی
منھ میں رکھکر جو میں نے چُوسا — بولی یہ زبان واہ موسی

ترجیع بند وغیرہ

ذکر رسول پاک ہے فخرِ زبانِ انس و جن   روح کو اس سے ہے سرور قلب ہے اس سے مطمئن ۱۲۹۵
ولولۂ دلِ جوان قوتِ خاطرِ مُسن   سُنئے اگر بہ گوشِ ہوش وردِ ملک ہے رات دن

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

خضر رکوع ہے یہی شوق سجود اسی سے ہے   حالتِ ذوق وجد کا دل میں ورود اسی سے ہے
دینِ خدائے پاک کی شانِ نمود اسی سے ہے   منبع خیر ہے یہی ہمت جود اسی سے ہے

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر   ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کردے سما اُبھار کر   اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بے شمار کر

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

شافع عاصیاں ہیں وہ تائبوں کے کفیل ہیں   فیض رسانِ خلق ہیں حامیِ بے عدیل ہیں
شکل میں وہ جمیل ہیں شان میں وہ خلیل ہیں   منظرِ نورِ حق ہیں وہ مہبطِ جبرئیل ہیں

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

سینۂ بت ہے اُن سے شق کفر کے دل میں تیر ہیں   حکم خدا کے ہیں مطیع دین کے دستگیر ہیں
راحتِ جان و روح ہیں روشنیِ ضمیر ہیں   خلق ہے اُن سے مستفید ہادیِ بے نظیر ہیں

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

حالتِ ملک و قوم پر ہوں شب و روز بیقرار   دین سے دل کو پھیر دیں ایسے سبب ہیں بیشمار
مرکزِ طبع کیا بنے جس سے ہو کم یہ انتشار   آئی صدا فلک سے یہ پڑھ تو اسی کو بار بار

صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

رہنے دے آسمان اگر تجھ سے ہے برسرِ جفا   ہو نہ ملول تجھ سے ہے دولتِ جاہ اگر خفا
مسلک مستند یہ ہے چھوڑ نہ تو رہِ صفا   نسخۂ حفظ دیں یہ ہے یہی ٹھیک فلسفا

صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

١٢٩٦ نگرانیِ مراحل کبھی ایسی تو نہ تھی   تند موج لب ساحل کبھی ایسی تو نہ تھی
بدگمانی تری قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی   بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

کرتی ہے خلق کو لیلائے لبرٹی مفتوں   ہند کے دل کو لبھا لیتا ہے مل کا یہ فسوں
لاجپت بھی ہوئے شاید کہ اسیر و محزوں   پائے کوباں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں
آتی آواز سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

بیشتر اس سے طبائع کے نہ تھے یہ پہلو   کہیں اشنان کی تھی لہر کہیں موج وضو
اے مسِ سیمتن و ماہ جبیں و گل رو   تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو
کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

تعلیم نسواں ایک پنڈت صاحب کی فرمایش سے

١٢٩٧ تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضرور ہے   لڑکی جو بے پڑھی ہو تو وہ بے شعور ہے
حسنِ معاشرت میں سراسر فتور ہے   اور اس میں والدین کا بیشک قصور ہے
ان پر یہ فرض ہے کہ کریں کوئی بندوبست   چھوڑیں نہ لڑکیوں کو جہالت میں شاد و مست

لیکن ضرور ہے کہ مناسب ہو تربیت   جس سے برادری میں بڑھے قدر و منزلت
آزادیاں مزاج میں آئیں نہ تمکنت   ہو وہ طریق جس میں ہو نیکی و مصلحت

ہر چند ہو علوم ضروری کی عالمہ　　شوہر کی ہو مرید تو بچوں کی خادمہ

مذہب کے جو اصول ہوں اُس کو بتائے جائیں　　باقاعدہ طریق پرستش سکھائے جائیں
اوہام جو غلط ہوں وہ دل سے مٹائے جائیں　　سکّے خدا کے نام کے دل میں بٹھائے جائیں
عصیاں سے محترز ہو خدا سے ڈرا کرے　　اور حسنِ عاقبت کی ہمیشہ دعا کرے

تعلیم خوب ہو تو نہ آئے گی دام میں　　خالق پہ لو لگائے گی وہ اپنے کام میں
حیرت ہی سے ہو گی غرض خاص و عام میں　　اس کو سکھایا جائے یہ واضح کلام میں
اچھا بُرا جو کچھ ہے خدا ہی کے ہاتھ ہے　　نیکی اگر کرے گی تو فطرت بھی ساتھ ہے

تعلیم ہے حساب کی بھی واجبات سے　　دیوار پر نشان تو ہیں واہیات سے
یہ کیا زیادہ گن نہ سکے پانچ سات سے　　لازم ہے کام لے وہ قلم اور دوات سے
گھر کا حساب سیکھ لے خود آپ جوڑنا　　اچھا نہیں ہے غیر پہ یہ کام چھوڑنا

کھانا پکانا جب نہیں آیا تو کیا مزا　　جوہر ہے عورتوں کے لئے یہ بہت بڑا
لندن کے بھی رسالوں میں میں نے یہی پڑھا　　مطبخ سے رکھنا چاہیے لیڈی کو سلسلا
وقت آ پڑے تو گاڑھے گزی میں بھی عذر کیا　　گھر کے لئے طعام پزی میں بھی عذر کیا

سینا پرونا عورتوں کا خاص ہے ہنر　　درزی کی چوریوں سے حفاظت یہ ہو نظر
عورت کے دل میں شوق ہے اس بات کا اگر　　کپڑوں سے بچے جاتے ہیں گل کی طرح سنور
کسب معاش کو بھی یہ فن ہے کبھی مفید　　اک شغل بھی ہے دل کے بہلنے کی بھی اُمید

سب سے زیادہ فکر ہے صحت کی لازمی　　صحت نہیں درست تو بے کار زندگی
کھانے بھی بے ضرر ہوں صفا ہو لباس بھی　　آفت ہے ہو جو گھر کی صفائی میں کچھ کمی
تعلیم کی طرف ابھی اور اک قدم بڑھیں　　صحت کے حفظ کے جو قواعد ہیں وہ پڑھیں

پبلک میں کیا ضرور کہ جا کر تنی رہو | تقلیدِ مغربی پہ عبث کیوں ٹھنی رہو
داتا نے دھن دیا ہے تو دل سے غنی رہو | پڑھ لکھ کے اپنے گھر ہی میں دیوی بنی رہو
مشرق کی چال ڈھال کا معمول اور ہے | مغرب کے ناز و رقص کا اسکول اور ہے
دنیا میں لذتیں ہیں نمایش ہے شان ہے | اُن کی طلب میں حرص میں سارا جہان ہے
اکبرؔ سے یہ سنو کہ جو اُس کا بیان ہے | دنیا کی زندگی فقط اک امتحان ہے
حد سے جو بڑھ گیا تو ہے اُس کا عمل خراب | آج اُس کا خوشنما ہے مگر ہوگا کل خراب

نعت

١٢٩٨ مدحِ سرورِ کونین میں خامہ اُٹھاتا ہوں | خیالِ کفر کی ظلمت پہ اک بجلی گراتا ہوں
شبِ اوہام ہے شمعِ یقیں محفل میں لاتا ہوں | چراغِ طورِ امین کوہِ معنی پر جلاتا ہوں
الٰہی شوخیِ برقِ تجلّی دہ زبانم را
قبولِ خاطرِ موسیٰ نگاہاں کن بیانم را

محمد پیشوا اور رہنمائے خلق و عالم ہیں | معزز ہیں مقدس ہیں معظم ہیں مکرم ہیں
فروغِ محفلِ ہستی ہیں نورِ عرشِ اعظم ہیں | حبیبِ حق ہیں ممدوحِ ملک ہیں فخرِ آدم ہیں
اُنھیں کے رنگ سے رنگِ گلِ ہستی کی زینت ہے
اُنھیں کی بو سے عطر آگیں بنی آدم کی طینت ہے

اُنھیں کے دل کو آگاہی ہوئی تھی رازِ فطرت پر | اُنھیں کی طبع کو وجد آگیا تھا سازِ فطرت پر
وہی چشمِ خدا بیں محو تھی اندازِ فطرت پر | اُنھیں کا نازِ غالب آگیا تھا نازِ فطرت پر
وقائع اُن کے عزم و فکر کے سانچے میں ڈھلتے تھے
ذرائع غیب سے تکمیلِ مقصد کو نکلتے تھے

وہ نظریں ساقیِ میخانۂ یزداں پرستی تھیں — وہ آنکھیں مظہر انوار راز بزم ہستی تھیں
انھیں پر بدلیاں خالق کی رحمت کی برستی تھیں — اسی محفل کی بخشیں خلد کے پھولوں میں بستی تھیں

اسی سرکار نے رتبہ بڑھایا طبع انساں کا
اسی دربار نے خلعت پنھایا نور ایماں کا

نہ سمجھا پھر ہر اک نے آب و سنگ و نار کو حاکم — طبائع ہو گئے تحقیق موجودات کے عازم ١٢٩٩
جو تھے صناع تاثیر عناصر کے ہوئے عالم — پرستاران عنصر نے عناصر کو کیا خادم
ہوئی توحید بالا جڑ کٹی عنصر پرستی کی — پڑی بنیاد اسی ارشاد سے علمی ترقی کی

غلط سمجھا گیا دعوے بتوں کی فاعلیت کا — یقیں پیدا ہوا حکم خدا کی کاملیت کا
بڑھا نور بصر گذرا زمانہ جاہلیت کا — بجا ڈنکا زمانے میں بشر کی قابلیت کا
اشارہ عقل کی جانب کلام حق میں واضح ہے — یہی قرآں درِ گنجینۂ فطرت کا فاتح ہے

معانی ان کے روشن تھے اندھیرے میں اجالے میں — سما جاتا تھا خوف ان سے تعرض کرنے والے میں
وہ یوں اصحاب میں تھی جس طرح ہو چاند ہالے میں — مصنف سیل کو لکھنا پڑا اپنے رسالے میں
محمدؐ کی وہ نظریں تھیں کہ دل میں راہ کرتی تھیں — زباں میں وہ فصاحت تھی کہ قومیں واہ کرتی تھیں

قدم ان کے لئے تھے بہر حل مشکل مسائل نے — ہدایت ان سے حاصل کی جہاں میں طبع مائل نے
جوابوں میں تشفی پائی ان سے طبع سائل نے — نہایت ہی فصاحت سے لکھا ہے کارلائل نے
جو طاقت رات کو دن اور دن کو رات کرتی تھی — وہ طاقت یعنی یہ فطرت خود ان سے بات کرتی تھی

معاشر دیکھ کر شان ان کی ان کو شاہ کہتا تھا — مسافر راہ پا کر ان کو خضر راہ کہتا تھا
مخاطب معترف ہوتا تھا حق آگاہ کہتا تھا — مخالف کو حسد تھا پھر بھی دل میں واہ کہتا تھا
دل کافر میں بھی قدر ان کی تھی انکا ادب کچھ تھا — زہے شان نبوت کچھ نہیں تھا اور سب کچھ تھا

جواہر خانہ اُس چشم کرم سے سینہ بنتا تھا　　حقائق کا خرد کا علم کا گنجینہ بنتا تھا
لطافت سے صفا سے نور سے آئینہ بنتا تھا　　علوی فکر سے عرش بریں کا زینہ بنتا تھا
مرید اُن کے نہ تھے مشتاق دنیا کی تگ و دو کے　　قدم افلاک پر پڑتے تھے اُس ہادی کے پیرو کے

قلوب اُن کی نظر کے رعب ہوش افزا سے ہلتے تھے　　چمن اُن کے سخن کے فیض بے ہمتا کے کھلتے تھے
ہجوم خلق تھا راہ طلب میں شانے چھلتے تھے　　بشر کی کیا حقیقت ہے فرشتے جھک کے ملتے تھے
فلک تھا دم بخود باد مخالف چل نہ سکتی تھی　　خدا کی بات تھی ٹالے کسی کے ٹل نہ سکتی تھی

۱۳۰۰ خلقت کی مصلحت سے بہم کچھ یہ پیار ہے　　ورنہ ہر ایک اپنی طرف بیقرار ہے
جو ذرہ ہے یہاں اُسے اک انتشار ہے　　مرجع تمام خلق کا پروردگار ہے
ہر آن میں ہے شان خدائے قدیر کی　　ہر سمت اک صدا ہے اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡر کی

۱۳۰۱ اب تو یاری کا اسی پر رہ گیا ہے انحصار　　جس کا تو حاسد ہے اُس کا جو ہو حاسد تیرا یار
واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں

جنگ جب تک تھی بتوں سے نام تھا اللہ کا　　اب تو ہر اک ہے مجاور اک جدا درگاہ کا
واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں

ہاں تجارت اور پالیٹکس میں دیکھیں جو سود　　چند روزہ متفق ہوں ورنہ لے شیخ و ہنود
واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں

متفرقات

آلا یا ایّہا الساقی کمن تصنیف ناولہا — دروغ آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا ۱۳۰۲

جن لوگوں کا قومی کوئی مرکز نہیں ہوتا — اُن میں کا کوئی فرد معزز نہیں ہوتا ۱۳۰۳

سند کیسی جمال ان میں اگر ہے ہوگا خود ظاہر — کوئی سارٹیفکٹ سے خوبصورت ہو نہیں سکتا ۱۳۰۴

آپ کی کارروائی پہ میں کیا دوں الزام — کر ہی کیا سکتے ہیں اب آپ حماقت کے سوا ۱۳۰۵

جس سے ملتی تھی اُنھیں دل میں بزرگوں کے جگہ — وہ ادب لڑکوں کے دل سے آج کل جاتا رہا ۱۳۰۶

حالِ دل خوب کہا ہے یہ زباں کا دعوےٰ — دل سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ کچھ بھی نہ کہا ۱۳۰۷

شیخ نالاں ہیں کہ برگد کو برتنا ہی پڑا — اس پرانے سوت کو بھی مل میں کتنا ہی پڑا ۱۳۰۸

جو اصل و نقل سے واقف ہے اُس نے دل کو ہے روکا — مبارک ہو تمہیں کو چاٹنا لڈو کے فوٹو کا ۱۳۰۹

پئے ممبری جو اُبلے سمجھو اُس کو خون اچھا — یہ بجا ہے قول شاعر گرنڈ جنون اچھا ۱۳۱۰

مسلمانوں کا وہ آئینِ طبع مستقل بدلا — چھٹی عربی گیا قرآں زباں بدلی تو دل بدلا ۱۳۱۱

ہوٹل میں برہمن نے اگر بھوگ لگایا — سمجھو کہ دھرم کو یہ بڑا روگ لگایا ۱۳۱۲

میں نے سحری کھانے پر ٹوکا تھا تو وہ جھنجھلائے تھے — اور آج جناب واعظ نے چورن سے فقط افطار کیا ۱۳۱۳

کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز — جغرافیے میں عرش کا نقشہ نہیں ملا ۱۳۱۴

فرقت سے کہا کہ جاگئے آپ — کھٹمل نے کہا کہ بھاگئے آپ ۱۳۱۵

بنی اُمیّہ سے تھے تنگ قبل ازیں سادات — ستانے آئے ہیں اب شیخ کو بنی کالج ۱۳۱۶

الفاظ ثقیلہ کو مغرب نے کیا خارج — اب دُم کی جگہ ملت مدرسے کی جگہ کالج ۱۳۱۷

کب میں کہتا ہوں الگ ہو سارا قصہ چھوڑ کر — کر طلب دنیا مگر صاحب کا حصہ چھوڑ کر ۱۳۱۸

۱۳۱۹ ظلم ہے اُن کو اگر داد نہ دوں میں لیکن
اپنے مداح کا مداح نہ ہونا بہتر

۱۳۲۰ ہم ڈنر خواہی و ہم آروغ صاف
ایں خیال است و محال است و گزاف

۱۳۲۱ کیا پوچھتے ہو اکبرِ شوریدہ سر کا حال
خفیہ پولیس سے پوچھ رہا ہے کمر کا حال

۱۳۲۲ تذکرے اُن کی خوش اخلاقی کے بہت سنتا ہوں
جتنے راوی ہیں مگر سب ہیں وہ اربابِ نشاط

۱۳۲۳ عدو کے شست سے بچتے نہیں ہیں
یہ کالے ہیں مگر کوّے نہیں ہیں

۱۳۲۴ تھیٹر والیاں دنیا میں ہر سو عیش کرتی ہیں
جہاں رقاص ہوئیں دل لیتی ہیں بل کیش کرتی ہیں

۱۳۲۵ سائنس کا مطلب ہے کہ نیچر کو نچوڑیں
اُس بُت کی یہ خواہش ہے کہ اکبر کو نچوڑیں

۱۳۲۶ دیکھئے رہتا ہے کب تک ملتوی یہ قصدِ حج
گھر کی جانب سے تو اطمینان ہونے کا نہیں

۱۳۲۷ مصلحِ قوم ہوں اُمت کے نگہبان بنیں
پہلے للہ مگر خود تو مسلمان بنیں

۱۳۲۸ دفع دل سے اثرِ یاس کیا کرتے ہیں
رزولیوشن ہی بس پاس کیا کرتے ہیں

۱۳۲۹ گوشۂ مسجد میں کارِ شیخ اب بنتا نہیں
پیٹ گو تسکیں پا جائے مگر تنتا نہیں

۱۳۳۰ خدا کی راہ میں اب ریل چل گئی اکبر
جو جان دینا ہو انجن سے کٹ مرو اک دن

۱۳۳۱ مسلماں تو وہ ہے جو ہے مسلماں علم باری ہیں
کروروں یوں تو ہیں لکھے ہوئے مردم شماری ہیں

۱۳۳۲ گرو جی دیکھ کر ہم کو لہو کے گھونٹ پیتے ہیں
جو سچ پوچھو تو ہم بھگوان کی کرپا سے جیتے ہیں

۱۳۳۳ وصل کا اُس بتِ خود بیں سے کوئی ہنٹ کہاں
صرف بوسے میں بھلا سلف گورنمنٹ کہاں

۱۳۳۴ صداقت کے نشاں اس مصرعۂ اکبر میں ملتے ہیں
کلیں سائنس سے چلتی ہیں دل مذہب سے ہلتے ہیں

۱۳۳۵ خدا کی راہ میں پہلے بسر کرتے تھے سختی سے
محل میں بیٹھ کر اب عشقِ قومی میں تڑپتے ہیں

۱۳۳۶ زمیں اچھی شعاعِ مہر کا جس پر اثر پہنچے
وہی دل خوب ہیں جو گرمیِ عرفاں سے تپتے ہیں

۱۳۳۷ ملکی خیال جب ہے تو ہو سازِ ملک بھی
بیلا لیا ہے اُس نے تو ہم بین کیوں نہ لیں

رسّما تو ایک بوسہ ہے کافی دمِ وداع — لیکن مزا جو آئے تو دو تین کیوں نہ لیں
(مصرعِ طرح یہ تھا بی بی نے دل لیا تو سفر تین کیوں نہ لیں)

۱۳۳۸ لطف ہے واعظ کو اکبر قوم خود مختار ہیں — وقت کیوں کھوتا ہے اپنا کمپ کے بازار میں

۱۳۳۹ ہمارے کل خیالوں کو وہ مستحسن سمجھتے ہیں — بجز اس کے کہ ہم شیطان کو دشمن سمجھتے ہیں

۱۳۴۰ ہم اُردو کو عربی کیوں نہ کریں اُردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں
جھگڑے کے لئے اخباروں میں مضموں تراشا کیوں نہ کریں
آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں لیکن اک اکھاڑا قائم ہے
جب اس سے فلک کا دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

۱۳۴۱ ممبر علی مراد ہیں یا سنگھ ندھان ہیں — لیکن معائنے کو وہی نادان ہیں

۱۳۴۲ ہم ریش دکھاتے ہیں کہ اسلام کو دیکھو — مس زلف دکھاتی ہے کہ اس لام کو دیکھو

۱۳۴۳ یہ خوب مصرعہ اکبر ہے اس کو شوق سے گاؤ — جو تم کو منہ نہ لگائے تم اُس سے دل نہ لگاؤ

۱۳۴۴ محوِ پرواز ہیں گلشن میں جو تھے زمزمہ سنج — فیضِ صیاد نے بخشی یہ ترقی اُن کو

۱۳۴۵ پرہیز سے تھا مو صحت کو بھگوان کی ہر دم جاپ کرو — اسکول کمیٹی میں ہے پھنسا تم اپنی ترقی آپ کرو

۱۳۴۶ ہجر کی شب یوں ہی کاٹو بھائیو — اُن کا فوٹو لے کے چاٹو بھائیو

۱۳۴۷ انگلش سے بھی ہم کہتے ہیں انصاف کرو نعمت چکھو — جب تمکو خدا خوش رکھتا ہے تم خلقِ خدا کو خوش رکھو

۱۳۴۸ عقلِ دنیاوی بڑھانے کی نہ تم کوشش کرو — عقلِ دنیاوی سے بچنے کے یہ دن ہیں چپ رہو

۱۳۴۹ قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ — رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

۱۳۵۰ جو چاہتے ہیں کٹے عمر اعتدال کے ساتھ — بٹھا رہے ہیں وہ بسکٹ کا جوڑ دال کے ساتھ

۱۳۵۱ وہی صاحبِ عمل ہیں شرع و دیں جن کا وظیفہ ہے — یہ صلحِ کل فقیری فقرہ یا شاہی لطیفہ ہے

۱۳۵۲ سمجھتے تھے جو ان کی ان کی گردن تم نے کل ماری — سنبھلو آج بیکار ان کتابوں کی یہ الماری

۱۳۵۳ کچھ اس کا غم نہیں آفس میں ہو کہ مل میں رہے — شکم کے ساتھ نہ پھیلے حدود دل میں رہے

۱۳۵۴ شیطان نے ترکیب تنزل یہ نکالی — ان لوگوں کو تم شوق ترقی کا دلا دو

۱۳۵۵ عزیز لڑتے ہیں آپس میں یہ ستم کیا ہے — خدا کی مار سے ووٹوں کی مار کم کیا ہے

۱۳۵۶ ماہِ حجوں میں یاد قانوں کیجئے — اور گوارا خفت نوں کیجئے

۱۳۵۷ فرنگی سے کہا پنشن بھی لیکر بس یہیں رہئے — کہا جینے کو آئے ہیں یہاں مرنے نہیں آئے

۱۳۵۸ کافی ہیں امیروں کو قوانین گورنمنٹ — مذہب کی ضرورت تو غریبوں کے لئے ہے

۱۳۵۹ کالج سے جنھیں اُمیدیں ہیں مذہب کو بھلا کیا مانیں گے

مغرب کو تو پہچانا ہی نہیں قبلے کو وہ کیا پہچانیں گے

۱۳۶۰ تم بن گئے ہو صاحب مرزا غریب ٹھہرے — پھر اُن کو کیا تم اُن کے گھر کے قریب ٹھہرے

۱۳۶۱ میم نے شیخ کو ڈانٹا تو پکارے وہ غریب — دیکھئے توپ نے لاٹھی کو دبا رکھا ہے

۱۳۶۲ تمھارے حسن میں سائنس کا بھی دل اُلجھتا ہے — کمر کو دیکھ کر وہ خط اقلیدس سمجھتا ہے

۱۳۶۳ نہایت قابلیت سے مجھے ثابت کیا مردہ — مناسب داد دینا ہے مجھے یا رب کہ رونا ہے

خدا آئی مناسب ہے کہ جینا اپنا ثابت کر — خوشامد یا شکایت دونوں ہی میں وقت کھونا ہے

۱۳۶۴ نزول وحی مغرب نوجوانوں پر ہے اے اکبر — زبانیں کالجوں کی کھل گئیں آپ چپ رہئے

۱۳۶۵ مذہب سوسائٹی ہے اور دین آخرت ہے — پولیٹکل جو پوچھو طاقت ہے اور سکت ہے

۱۳۶۶ قائلِ تقدیر یہ سمجھے قائل تدبیر وہ — یہ قضا سے اور وہ اپنی حماقت سے مرے

۱۳۶۷ دو حرف میں ہیں دفتر سمجھ کو اگر نظر ہے — مذہب مُریدکن ہے سائنس "میں اگر" ہے

۱۳۶۸ کرتا ہوں ہر امینٹ پہ نوحے رُکا رہتا ہے کلام — تنگ ہے وہ شوخ مجھ تاریخ داں مزدور سے

بھائیو گیہوں کا آٹا ڈھائی آنہ سیر ہے ــــ پھر عجب کیا ابن آدم زندگی سے سیر ہے ۱۳۶۹

جو چاہتا ہے زمین کو کہ لالہ زار کرے ــــ برائے سعی وہ موسم کا انتظار کرے ۱۳۷۰

بھائی عربی دوست ہندو بادشاہ انگریز ہے ــــ آپ کی فکر ترقی انتشار انگیز ہے ۱۳۷۱

دل میں اب نور خدا کے دن گئے ــــ ہڈیوں میں فاسفورس دیکھئے ۱۳۷۲

یہ ینگ پارٹی کی بنا کس غرض سے ہے ــــ واللہ یہ علاج تو بدتر مرض سے ہے ۱۳۷۳

ان میں موج مغربی مجھ میں ہوائے شرق ہے ــــ حضرت گزٹ میں غرق ہیں بندہ غزل میں غرق ہے ۱۳۷۴

اب تو پنڈت جی کا ہائی مارک ہے ــــ دل میں پے کرما نہیں ہے پارک ہے ۱۳۷۵

بدن کو کچھ سمجھ سکتے ہو نشتر اور شعاعوں سے ــــ مگر آساں نہیں تشریح استعداد روحانی ۱۳۷۶

رکن محفل وہ ہوئے رنگ بدل دینے سے ــــ بات میری بھی بنی رہ گئی چل دینے سے ۱۳۷۷

یہ قول اہل مغرب یہ زمانہ ہے ترقی کا ــــ مجھے بھی شک نہیں اس میں کہ غفلت کی جوانی ہے ۱۳۷۸

اُس بُت کے لب و رُخ کا لیا بوسہ پس از عقد ــــ مجھ شاعر مشرق کا ہنی مون یہی ہے ۱۳۷۹

تجربہ خود ہی بنا دیتا ہے مرشد اکبر ــــ سچ کہا آپ نے پیری میں مریدی کیسی ۱۳۸۰

نہ پوچھو ہم سے اکبر حالت سائنس و مذہب کو ــــ وہاں ابجد پہ ہنگامہ ہے یاں ضطع پہ بیہوشی ۱۳۸۱

ہر شخص میں جوش خود سری ہے ــــ سوشل حالت کی ابتری ہے ۱۳۸۲

عجب حالت ہے شیخ ہند کی اطفال کی نسبت ــــ جوانی بھی یہیں گذری بچپن بھی بُت پرستی سے ۱۳۸۳

جب غور کیا تو مجھ پہ یہ بات کھلی ــــ دقت میں وہ ہیں کہ جو نہ صاحب نہ قلی ۱۳۸۴

کالج و اسکول کی بجتی ہے ہر سو تو تڑی ــــ چار دن کی آٹھ ہیں اور فاکس معنی لومڑی ۱۳۸۵

پہلے ہوتا تھا وصال و راب ہے مرگ نیچری ــــ عُرس کا اب اس لئے ہے نام اپنی ورسری ۱۳۸۶

دلیری سکھاتے ہیں ہم کو یہ کہہ کر ــــ جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے ۱۳۸۷

١٣٨٨ مری کھیتی تو اک مدت ہوئی چڑیوں نے چگ لی ہے
میں کس سے پوچھوں جگہ ٹھاکر کی جمنا ہے کہ گنگی ہے

١٣٨٩ نظر میں تیرگی ہے اور رگوں میں ناتوانی ہے
ضرورت کیا ہے پردے کی جہاں بیبی کا پانی ہے

١٣٩٠ ہمارے مصلح اگر یہی ہیں بدل ہی دیں گے مزاج لیلیٰ
یہ مشورے دے رہے ہیں حضرت کہ بھیجئے قیس کو بریلی

١٣٩١ مرا ٹٹو زیادہ مشرقی ہے شیخ صاحب سے
کہ وہ موٹر پہ چڑھتے ہیں یہ موٹر سے بھڑکتا ہے

١٣٩٢ صبا نے جارج کو مژدہ یہی سنایا ہے
محافظِ حرم اب آپ کی رعایا ہے

١٣٩٣ نہیں ملنے کی اب فطرت سے لے اُن کے ترانے کی
ہدایت مرشدوں نے کی ہے اُن کو گپ اُڑانے کی

١٣٩٤ شاپ میں سب جمع ہیں مجھ سے نہ پی پی کیجئے
آپ اس بوتل کو میرے گھر پہ وی پی کیجئے

١٣٩٥ ماسٹر کی بحث اگر مانیں نتیجہ ہے یہی
اب ہیں اچھے جانور پہلے بُرے انسان تھے

١٣٩٦ ٹرخا دیا ہر اک کو مغرب نے پاس کر کے
سیّد بھی کورے کھسکے برسوں مساس کر کے

١٣٩٧ جمال صورت و معنی میں بحث و ردّ و کد کیسی
گل و بلبل کے حق میں کیا شہادت اور سند کیسی
نہ دعوے کی ضرورت ہے نہ کوئی روک سکتا ہے
کسی میں فطرتی جوہر جو ہو وہ خود چمکتا ہے

١٣٩٨ اتحاد مذہبی کا شوق گو ہے نیچرل
اس زمانے میں مگر کچھ اور ہے طرزِ عمل
پہلے سنتے تھے صدائیں مرد میداں کون ہے
اب تو یہ سرگوشیاں ہیں میری گوئیاں کون ہے

١٣٩٩ وہی ہنسائے وہی رلائے وہی جگائے وہی سلائے
وہی بگاڑے وہی سنوارے وہی نکالے وہی بلائے
اُسی سے خوش رہ اُسی کا غم کر اُسی کو دیکھو اور اُسی میں گم ہو
دُعا اُسی سے ثنا اُسی کی جو گر تو چپ ہو سنبھل جو قم ہو
جہانِ فانی کے کل کوائف اُسی کی قدرت کے ہیں لطائف
اُسی کی رحمت پہ کوئی غافل اُسی کی عظمت سے کوئی خائف

دلوں کا مالک نظر کا حاکم سمجھ کا صانع خرد کا بانی
جمال اُسی کا جلال اُسی کا اُسی کو زیبا ہے لن ترانی

۱۴۰۰ خواہشیں کھودیتی ہیں صبر و شکیب — خواہشوں میں ہوتے ہیں اکثر فریب
ہمنشیں کے نفس کے شیطان کے — خود غرض احباب کے سلطان کے
پہلے آپ اصلاح خواہش کیجئے — بعد ازاں دنیا سے سازش کیجئے

۱۴۰۱ ضرورت نے کیا قائم جو پاس ادر فیل کا پھندا — تو مشت استخواں نے مشت پر کو کر دیا چندا
ہمائے اوج عزت کا اگر حق ابتو غالب ہے — شرف اس کا رہے محفوظ غیرت اس کی طالب ہے

۱۴۰۲ اُس چیز کا کیا کہنا اکبر تھا جس نے دلوں کو نیک کیا
لاکھوں ہی طبائع کو کھینچا ہموار کیا اور ایک کیا
جو قوم کو ابتر کرتے ہیں اب اُن اثروں پر رونا ہے
معلوم نہیں کیا مطلب ہے معلوم نہیں کیا ہونا ہے
تعلیم جنھوں نے پائی ہے وہ بد تو نہیں ہیں بجس ہیں
دعوے جو ہیں رسم و مذہب کے سب اُن کے یہاں سے ڈسمس ہیں
کیوں دولت و قوت کی ہے کمی اس کے تو سبب پیچیدہ ہیں
کچھ اس کو سمجھ سکتے ہیں وہی بوڑھے جو زمانہ دیدہ ہیں
لیکن یہ جو سوشل آفت ہے طوفان بپا ہے فتنوں کا
بے مہری ملت کی یہ ہوا اک قہر ہے جس کا ہر جھونکا
اس کا جو سبب ہے سُن لو اُسے سب پردہ عیاں ہے ظاہر ہے
الفاظ صریح و واضح ہیں یہ مطلع اکبر حاضر ہے

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

۱۴۰۳ گئے برہمن کے پاس لیکر جو اپنے جھگڑے کو شیعہ سُنّی
بگڑ کے بولا کہ جاؤ بھاگو ملکش تم بھی ملکش وہ بھی
بڑھی جو تکرار تو وہ لیکر اُنھیں فرنگی کے پاس پہونچا
وہ بولا بس دور ہو یہاں سے کہ تم بھی نیٹو ہو وہ بھی نیٹو
فلک نے آخر ہر اک کی سُن کر کہا کہ تم سب ہو مستِ غفلت
سمجھ لو اس کو کہ تم بھی فانی ہو وہ بھی فانی ہے یہ بھی فانی

۱۴۰۴ برگد کے مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے — مغرب کی پالسی کا عربی میں ترجمہ ہے

۱۴۰۵ نہ تیر افگنی ہے نہ اب حکم رانی — نہ وہ وضع ملت نہ قرآن خوانی
نہ باہم ادب ہے نہ وہ مہربانی — یہی کہتی پھرتی ہے لڑکے کی نانی
ہر اک شاخ میں پاس یہ لے ہُوا ہے — مرا لال کالج کا کاکا ہُوا ہے

۱۴۰۶ پسنجر کی آمد رہی درکنار — ہوا ڈاک گاڑی میں بھی انتشار
جو لی ریل والوں نے راہِ فرار — ٹریفک کا ہے بند سب کاروبار
کئی دن سے سونی ہے ای آئی آر — یہ سچ کہہ گیا شاعرِ نامدار
بیک گردشِ چشم نیلو فری — نہ انجن بماند نہ انجینری

۱۴۰۷ اُٹھ گیا پردہ تو اکبر کا بڑھا کون سا حق — بے پکارے جو مرے گھر میں چلا آتا ہے
بے حجابی مرے ہمسائے کی خاطر ہے نہیں — صرف حکام سے ملنے میں مزا آتا ہے

۱۴۰۸ قدر دانوں کی طبیعت کا عجب رنگ ہے آج — بلبلوں کو ہے یہ حسرت کہ وہ اُلّو نہ ہوئے

اک غزل میں اتفاقاً میرا اک مصرعہ یہ تھا — دیدۂ عبرت سے رنگ دیر فانی دیکھئے ۱۴۰۹
کوئی بول اٹھا نہ ڈال حسن بتا مقصود ہے — اس سخن میں بدشگونی کی نشانی دیکھئے
عارفانہ شاعری بھی آج کل دشوار ہے — بزم دنیا میں یہ زور بدگمانی دیکھئے

کہنا ہے مجھ کو جو کچھ سنئے گا اس صدی میں — پوچھا کہ اس صدی میں کیسے اب جیتے رہو گے جی میں ۱۴۱۰
بولے کہ یہ صدی ہے اس بحث اور بیاں میں — کہنا ہے جو کہیں ہم کون سی زباں میں
سن کر یہ بات ان سے ہر اک کو آیا چکر — اک صاحب بصیرت چلتے ہوئے یہ کہہ کر
پیر فلک نہ کیوں کر ابواب بحث کھولے — جیتے رہیں گرو جی زندہ رہیں یہ بھولے

پہلے کام اپنا پالیسی کرتی ہے — ہمدردی طبع بے حسی کرتی ہے ۱۴۱۱
تنگی ہوتی ہے جب بہت خلقت پر — فطرت خود اٹھ کے ثالثی کرتی ہے

زبان سنسکرت اسوقت پنڈت جی سے کہتی ہے — کہ اچھا ہے مری الفت تمھارے دل میں رہتی ہے ۱۴۱۲
میں خوش ہوں گی بلا شک تم اگر مجھ کو جلاؤ گے — مگر وہسکی پلاؤ گے کہ گنگا جل پلاؤ گے
جیوں گی میں کہ پھر تمکو ملاؤں دیوتاؤں سے — بھڑاؤ گے مجھی کو یا کہ دنیا کی بلاؤں سے
اگر شوق عبادت ہے تو میں موجود ہوں اب بھی — اگر دنیا کا سودا ہے تو کب میں اس سے راضی تھی

پیدا جو ہوئے یہ غل مچانے والے — دل ان کا نہیں ہیں ہم بڑھانے والے ۱۴۱۳
لیکن بہ ادب کریں گے یہ عرض کہ ہیں — اس فن کے حضور ہی سکھانے والے

فکر ساری کی ہے نہ کنگن کی — اب تو دھن ہے انھیں فرنگن کی ۱۴۱۴

فنا کے دور میں عبرت کو بھی قیام نہیں — نشان ہی نہ رہے جب تو یاد کیا آئے ۱۴۱۵

دلی خواہش تو ہے بیشک کہ ایک آدھ ایک دو کہئے — مگر کہنے کو ہوں موجود سب کچھ آپ جو کہئے ۱۴۱۶
بتانِ مغربی کی مدح و ذم کی بحث نازک ہے — سکوت اسوقت اولیٰ ہے نہ یس کہئے نہ نو کہئے

۱۴۱۷ گو ڈر جدید روشنی کے شعلوں کی ہے یہ — پردے کی احتیاج ہے کیا اس بناؤ پر
جب شمع ہو تو اُس کی حفاظت ضرور ہے — فانوس کوئی رکھ نہیں سکتا الاؤ پر

۱۴۱۸ نام میرا دفتر اعزاز سے خارج ہے اب — پارک کی زینت میں میری قبر بھی خارج ہے اب

۱۴۱۹ یہ دال لب گنگ کبھی گل نہیں سکتی — کلو کے پٹاخے سے بلاٹل نہیں سکتی
افعی سے کہا میں نے مجھے تو نے ڈسا کیوں — بولا کہ بلا لاٹھی کے تو بن میں بسا کیوں
پانوں میں تو مہندی ہے لگی شوق ڈنر کی — حیران ہوں اکبرؔ نے کمر کو یہ کسا کیوں

۱۴۲۰ پیٹ مصروف ہے کلرکی میں — دل ہے ایران اور ٹرکی میں

۱۴۲۱ بعض مُسلم تو ایسے ہیں موجود — منہ جو لحم بقر سے موڑتے ہیں
فوجی گورے مگر رکیں کیوں کر — جان بل کب گئو کو چھوڑتے ہیں

۱۴۲۲ نہ وہ جان کے ہیں نہ ہیں تن کے دشمن — فقط ہیں ہمارے میاں پن کے دشمن
جو ہوں دوست اپنے کہاں وہ میسّر — غنیمت ہیں اس وقت دشمن کے دشمن

۱۴۲۳ قناعت نہیں ہے تو ایمان رخصت — عبادت نہیں تو مسلمان رخصت

۱۴۲۴ یہ آپ کا فرمانا ہے بجا قرآن بھی ہے اللہ بھی ہے — مشکل تو یہ ہے لیکن کہ ادھر آنر بھی ہے اور تنخواہ بھی ہے

۱۴۲۵ ہر طرف برپا ہے طوفان عناد و اختلاف — برہمن اور شیخ سوشل ساز و ساماں کیا کریں
پالسی مغرب پہ مشرق پر تعصب ہے سوار — اس کو ہندو کیا کریں اس کو مسلماں کیا کریں

۱۴۲۶ تقلید حریف میں جو پہونچے نقصاں — افسوس اُس کا ہو کیوں دلِ ملت میں
مسجد کی مصیبتوں میں دیتے اِمداد — ہوٹل میں پٹو تو شیخ جی کیوں دوڑیں

۱۴۲۷ کانٹے بونے لگے اب شکسپیر پڑھ کے عزیز — گُل کھلائیں گے کہاں تک یہ گلستاں والے

۱۴۲۸ سگے بدنبال و نشۂ مے رفل بدست و غرور درسر — کدھر ہوا ہے یہ عزم قاتل خدا کرے خیر جان اکبرؔ

ہو گیا ہے الہلال آماجگاہ تیرِ غرب   اس نئے دورِ فلک کی چاندماری دیکھئے ۱۴۲۹

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو   جب توپ مقابل ہے تو اخبار نکالو ۱۴۳۰

ضبطی پرچۂ توحید ہوئی خیر یہ ہے   قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدْ ضبط نہیں خیر یہ ہے ۱۴۳۱
نورایاں کی ضرورت نہیں سمجھا سائنس   وجہ خاموشیٔ شمع حرم و دیر یہ ہے
مغربی پارک میں چکر کے سوا کچھ بھی نہیں   دل رنگیں کی ہوا کھاؤ بڑی سیر یہ ہے

قید ہر کروٹ پہ ہر بوسے پہ اک مضمون ہے   عشق مس کیا ہے نرا قانون ہی قانون ہے ۱۴۳۲
گو نئی نظریں مبارکباد دیں اس لطف پر   میں تو کہتا ہوں کہ شامت اُس کی جو مفتون ہے

صاف کہتا ہوں میں خوش یا ہوں ناخوش مولوی   آسماں اب چاہتا ہے مولوی کُش مولوی ۱۴۳۳

بابو صاحب کا یہ ہے شکوۂ افلاس بجا   سچ تو کہتے ہیں کہ مچھلی نہ سہی بھات تو ہو ۱۴۳۴

چاہو بھلا جو اس کا ہرگز نہ تم سکھاؤ   بحثِ حقوقِ انساں نیٹو آف انڈیا کو ۱۴۳۵

حج کو کیونکر جائے کارخانگی کو چھوڑ کر   اتنی کثرت ہو جو چوہوں کی تو بلّی کیا کرے ۱۴۳۶

بھلا کیا پوچھنا ہے شان اکبرؔ کا زمانے میں   کہ نیٹو بھی ہے ہندوستانی بھی مسلماں بھی ۱۴۳۷

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے   ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے ۱۴۳۸

قوت زیر حراست سے نہیں پیدا شکوہ   جب لیا لیسنس وہ رعبِ رفل جاتا رہا ۱۴۳۹

باوجود اس بیکسی کے بدگمانی اس قدر   میں نے کی اللہ سے فریاد آڑے آیا دین ۱۴۴۰
ڈائری میں ہو گیا تھا اختلاف اندراج   لڑ گئے خفیہ پولس سے کل کراماً کاتبین

سول سرجن تو ساڑھے سات سے پہلے نہیں اٹھتے   ولیکن اُن کے مرغے کی سحر خیزی نہیں جاتی ۱۴۴۱

اے ذہن عرب گوش مکن صلح عجم را   ایں نغمہ نشید است دگر صوت نغم را ۱۴۴۲

ضمیمہ

۱۴۴۳ دربجر زندگی دلم آہے کشید و رفت — برقے بگوئیش کہ در ابرے طپید و رفت
داغ دل است رنگ فنا اندریں چمن — سبزہ دمید و مُرد گل تر رسید و رفت

۱۴۴۴ اس وعدہ خلافی پہ کرو غور کسی دن — ہر روز یہ کہہ دیتے ہو اب اور کسی دن
ہر لذت دُنیا پہ وہ جھپٹ پڑتے ہیں فی الفور — آفت میں پھنسائے گی یہ فی الفور کسی دن

۱۴۴۵ خیال حالت قومی سے دل کو پست کرتا ہوں — مگر جب اپنا بنگلہ دیکھتا ہوں جست کرتا ہوں

۱۴۴۶ مورخ اور صوفی میں یہی ہے فرق اے اکبر — کہ وہ مصروف ماضی ہے اور اس کو حال آتا ہے

۱۴۴۷ داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب — فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کریں

۱۴۴۸ نکال دیں تو در فیض عام چھٹتا ہے — جو منھ لگائیں تو اُن کا گدام لٹتا ہے
سکھائیں کیوں نہ یہ فقر و فنا رعایا کو — کہ حرص بڑھتی ہے اس سے نہ دم ہی گھٹتا ہے
کریں یہ خاک نشینوں کی طبع کو ہموار — کہ جس طریق سے کنکر سڑک پہ کٹتا ہے

۱۴۴۹ نہ کٹ لٹ ہیں نہ یاں کانٹا چھری ہے — مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بُری ہے
کہاں مسجد میں وہ اگلے سے مسلم — خدا کے نام کی خانہ پُری ہے
ترقی پا کے وہ بر گنڈ میں پہونچے — کسی کو کیا کہ جب تنہا خوری ہے
یہ لیڈر گا رہا ہے حمد کے گیت — مگر آواز بالکل بے سُری ہے

۱۴۵۰ عقد سے کیا ہوں وہ خوش کہتی ہے بیوی ان کی — بے نماز آئے تو کب ہاتھ لگانے دونگی
میں مسلمان کی لڑکی ہوں مسلمان ہوں خود — سامنے بھی اُنھیں واللہ نہ آنے دونگی
ساس کہتی ہیں کہ پڑھواؤں گی سمجھا کے نماز — ایسے مسٹر کو بھلا ہاتھ سے جانے دونگی

۱۴۵۱ دُھن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اک ہاتی بسکٹ سے ہے ملائم پوری ہو یا چپاتی
شان نماز اکبر شاہانہ ہو چلی ہے مسجد الگ بنائیں اپنی میاں وفاتی

۱۴۵۲ جو ایرشپ پر چڑھے تو ایسے کہ بس ہمیں ہیں خدا نہیں ہے
جو ایرشپ سے گرے تو ایسے کہ لاش کا بھی پتا نہیں ہے
حیات دنیا کو آیتوں میں خدا نے لہو لعب بتایا
کسی کو ہو کچھ تامل اس میں ہمیں تو شبہ ذرا نہیں ہے

۱۴۵۳ گپیں اُڑانے کو اک وادی عمل تو ہے ہمارے واسطے اک نازکا محل تو ہے
الٰہی رکھ تو سلامت ہمارے لیڈر کو کہ بزم قوم میں اس سے چہل پہل تو ہے
چلا ہی لیں گے کسی کھیت میں بحکم حضور خدا کے فضل سے محفوظ اپنا ہَل تو ہے

۱۴۵۴ اُسے اقرار اغوا ہے یہ اغوا کو چھپاتے ہیں علیہ اللعن ہے شیطان لیکن ان سے اچھا ہے
بہت مبہم تمھارا مصرعۂ ثانی ہے اے اکبر اشارہ ہے کدھر شیطان آخر کن سے اچھا ہے

۱۴۵۵ جو سچی بات ہے کہہ دو نکا بے خوف و خطر اُس کو نہیں رُکنے کا میں ہرگز یہی ٹوکے کہ جن ٹوکے
انار آتے جو کابل کے تو پڑتے سب کے حصے میں امیر آئے تو ہم کو کیا مزے ہیں لارڈ منٹو کے

۱۴۵۶ شاہی و حکومت کی ہے اصلی یہی بیوٹی ہر طور سے انسان سمجھ لے اُسے ڈیوٹی
حاکم میں اگر ناز ہے اور عیش پرستی حاکم میں اگر بادۂ نخوت کی ہے مستی
کتنا ہی زبردست و بلند اُس کا ہو پایہ ہرگز نہ کہیں گے اُسے اللہ کا سایہ
حاکم کو ضروری ہے مذاہب کی اعانت اللہ کی ہو جس سے پرستش بہ فراغت
با ایں ہمہ کرنا ہے مجھے صاف یہی عرض حاکم کی اطاعت ہے بہر حال تمھیں فرض
دنیا یہ بنی ہے سپئے تیاریِ عقبےٰ بیجا ہے حکومت کا جو ہر اک کو ہو سودا

یہ ملک نہ فطرت کا ہے شیدا نہ خدا کا — دادا کا کہیں بت ہے کہیں رسم کا خاکا
جو شرک میں ڈوبا ہے نہ پھولا نہ پھلے گا — غیروں ہی کی امداد سے کام اُس کا چلے گا

۱۴۵۷ مجھ میں اب زور نا توانی سے ہے بہت — باایں ہمہ اُن کو بدگمانی سے ہے بہت
خاموش رہو تو سانس لینے دیں گے — اتنی بھی یہ اُن کی مہربانی ہے بہت

۱۴۵۸ میر منشی رضا حسین خاں صاحب نے سلسلہ مراسلت میں مجھ کو یہ شعر لکھ بھیجا تھا،
چشمے داریم و عالمے در نظرم — دیگر چہ معلم و کتابم باید
میری طبیعت میں اس شعر نے ایسا ہیجان پیدا کیا کہ اشعار ذیل موزوں ہو گئے،
اے آنکہ فسانہ گوئی از دیر و حرم — ایں دفتر تست باعث درد سرم
بگذار مرا بہ حالم از راہ کرم — چشمے داریم و عالمے در نظرم
دیگر چہ معلم و کتابم باید
جامے زمے طہور دارم در دست — جانم بہ سرودِ عاشقی بیخود و مست
نے طالب نغمہ ام نہ من بادہ پرست — تار نفس است و بادۂ از عہد الست
دیگر چہ مغنی و شرابم باید

۱۴۵۹ یہ کہتے تھے اک لالۂ باوقار — کہ عربی حروف اب تو ہم پر ہیں بار

۱۴۶۰ رُکی ہے اُنھیں سے ہماری نمود — یہ کھسکیں تو ثابت ہو اپنا وجود
کہاں کا حرام اور کہاں کا حلال — ہٹے جائے چھُٹی رہیں رام لال

۱۴۶۱ رقیب تمھارے گانوں کا میلوں ہوا تو کیا — رقیب تمھارے دل کا تو دا یخ بھی نہیں

۱۴۶۲ بوئے وفا نہیں ہے مسوں کے اُصول میں — بس رنگ دیکھ لیجئے گملے کے پھول میں

۱۴۶۳ روتا تھا میں اس غم میں کہ حالت تو ہے ایسی — اور اُس کا کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے

ہو اس کا بھلا جس نے کہا دل کو قوی رکھ
جو تجھ پہ گذرتی ہے خدا دیکھ رہا ہے

بھائی صاحب تو یہاں فکر مساوات میں ہیں
شیخ صاحب کو سنا ہے کہ حوالات میں ہیں ۱۴۶۴
قوم کے حق میں تو اُلجھن کے سوا کچھ بھی نہیں
صرف آنر کے مزے اُن کی ملاقات میں ہیں
سر بسجدہ ہے کوئی اور کوئی تیغ بہ کف
اک ہمیں اس رزولیوشن کی خرافات میں ہیں
ہوش میں رہ کے کرو دُور نقائص اپنے
مغربی لوگ تو مست اپنے کمالات میں ہیں

طالب ہوں میں ترقیِ بابو پسند کا
اخلاق کو اگرچہ ہے خطرہ گزند کا ۱۴۶۵

بابو ہمیں نگل گئے اس عہد میں تو خیر
رہنا پڑا ہے نبیوں کو مچھلی کے پیٹ میں ۱۴۶۶

جس نے کہ یہ کہا ہے واللہ کیا کہا ہے
تعظیم خواہ سب ہیں حاجت روا خدا ہے ۱۴۶۷

مٹنے پر ہے نقش باطل
لاتستعجل لاتستعجل ۱۴۶۸

عالم وحدت میں کثرت رنگ کھلانے لگی
ہوش کے ٹکڑوں سے میں میں کی صدا آنے لگی ۱۴۶۹

جو بات صاف ہے کہتا ہوں بے دریغ اس کو
نہ مجھ کو کام ہے ٹھکرائی سے نہ شیخی سے ۱۴۷۰
زیادہ زینتِ دُنیا بھی ہے فساد انگیز
جنونِ جنگ ہے پیدا اسی ترقی سے

اب حدیث لیڈری ہے عمرزادی ہو چکی
آفت ارضی کی شدت ہے سماوی ہو چکی ۱۴۷۱
پند ہے کونوا عباد اللہ اخوانا کی خوب
ووٹ بازی پر مگر یہ پند حاوی ہو چکی

خلوتِ ناز میں کیا شان خود آرائی ہے
حسن خود عالم حیرت میں تماشائی ہے ۱۴۷۲

میرے اس مصرع پہ سب کی واہ ہے
ہوش میں ہوں زندگی اللہ ہے ۱۴۷۳

جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی
مُلّا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی ۱۴۷۴

چلا جاتا تھا اک ننھا سا کیڑا رات کاغذ پہ
بلا قصد ضرر اُس کو ہٹایا میں نے انگلی سے ۱۴۷۵
مگر ایسا وہ نازک تھا کہ فوراً پس گیا بالکل
نہایت ہی خفیف اک داغ کاغذ پر رہا اُس کا

ابھی وہ روشنی میں شمع کی کاغذ پہ پھرتا تھا — ابھی یوں مٹ گیا اک جنبش انگشت انساں سے
لیا میرے سوا نوٹس ہی کس نے اس کا دنیا میں — نہ تھی فطرت کی کیا کاریگری اُس کے بنانے میں
نسب نامہ بھی اُس کا عالم ذرات میں ہوگا — یہی تھی اُس کی ہستی اور اُس میں اُسکی مستی تھی
نہ ماتم کرنے والا ہے نہ الفت لکھنے والا ہے — وہ دھبا درس عبرت دے رہا ہے مجھ کو اے اکبر
معاذ اللہ کیا سمجھا ہے تو نے اپنی قیمت کو — تجھے بھی صفحۂ روئے زمیں سے ایک دن آخر
مٹا دے گی کوئی تحریک فطرت حکم باری سے — عجب حیرت سے میں ہوں دیکھتا اس داغ کاغذ کو
مری نظروں میں تو نقشہ ہے یہ دنیائے فانی کا — صریحاً جسم تھا اک جان تھی احساس تھا اُس میں
اور اب دھبا سا ہے کیا جانے کوئی کیسا دھبا ہے — عجب کیا ہے جو سمجھے کوئی پنسل کی لکیر اُس کو
معاذ اللہ معاذ اللہ سناٹے کا عالم ہے — بہت جی چاہتا ہے روؤں اس ہستی کے دھبے پر
یہ ہیں برسات کے دن تیسری بھادوں گذرتی ہے — میں اپنا غم غلط کرتا ہوں کچھ اشعار لکھنے سے

(اصل کاغذ جس پر دھبا ہے حسن نظامی دہلوی لے گئے اُس کا فوٹو اُنھوں نے چھاپا ہے)

۱۴۷۶ پوچھے کوئی اگر تصنیف کیا — کہہ دو اکبر کہ لفظ بے معنے
پوچھے کوئی اگر شریعت کیا — کہہ دو اکبر کہ لفظ با معنے
پوچھے کوئی اگر تصوف کیا — کہہ دو اکبر کہ معنیٰ بے لفظ

۱۴۷۷ ہمارے شیخ صاحب کا عمل کتنا مناسب ہے — اُدھر پرگنڈ بھی لٹو ہے اِدھر جنت بھی واجب ہے

۱۴۷۸ مطبع کی یاں مدد نہ کتابوں کا زور ہے — میخانہ دل ہے اُس کی شرابوں کا زور ہے

۱۴۷۹ فدا ہوں ہادیانِ دین و ملت کے نشانوں پر — پرستش میں مگر تقلید ابراہیم کرتا ہوں
فروغ روئے انسانی بھی ہے اور شمس تاباں بھی — مگر میں لا احب الآفلین تعلیم کرتا ہوں
درِ دل اہل دل کا جب کھلا ہو جانب عرفاں — تو بیشک فیض روحانی کو بھی تسلیم کرتا ہوں

اک بحث میں اُلجھ کر دنیا کا کام چھوڑا — چھوڑی سحر نہ اُس نے ہنگام شام چھوڑا ١٤٨٠
ہر فلسفی نے لیکن عمر اپنی ختم کر دی — جو بحث اُٹھائی اُس کو بس ناتمام چھوڑا
اکملت کا اشارہ کافی ہے تجھ کو اکبر — پھر دل کا کیا ہے مرکز جب یہ مقام چھوڑا

عجم کی زینتیں سیکھیں مباہات عرب سیکھیں — زمانے کی ترقی جو سکھائے ان کو سب سیکھیں ١٤٨١
مگر اک التماس ان نوجوانوں سے میں کرتا ہوں — خدا کے واسطے اپنے بزرگوں کا ادب سیکھیں

دل کو فطرت سے ہے تعلق — مذہب کا اثر زبان پر ہے ١٤٨٢
چاہو جو شناخت نیک و بد کی — موقوف یہ امتحان پر ہے

دنیا کی بے وفائی سے اکبر ملول ہے — لیکن زیادہ اُس کا تصور فضول ہے ١٤٨٣
اب تک وہ رو رہا ہے میں سمجھا تھا رو چکا — اتنی سمجھ نہیں کہ مرا وقت ہو چکا

جن میں ہر گام پہ اک دام بلا ہے درپیش — نفس کو تو اُنھیں باتوں میں مزا آتا ہے ١٤٨٤
اس کمیٹی میں نہیں روح کی لذت کا خیال — ممبر اُٹھ جاتے ہیں جب ذکر خدا آتا ہے

بہتر سمجھے ہو تم جو خاموشی کو — یہ بھی نہ کہو کہ خامشی بہتر ہے ١٤٨٥

الف بے تے ہی کو پڑھ کر میں سمجھا — الف اللہ کا اور ما سوا بت ١٤٨٦

نہ ازل کی رہی یاد اور نہ ابد کی ہے خبر — آفریں تجھ پہ مجھے ہوش میں لانیوالے ١٤٨٧

بے حد وہ خفا ہیں اکبرؔ سے اور اُس کی دعا یہ ہے کہ اُنھیں ١٤٨٨
اللہ بصیرت ایسی دے اپنی غلطی کو دیکھ سکیں

علم پر گو غرور بیجا ہے — جاہلوں سے ہے اجتناب روا ١٤٨٩

شیخ برگد کہتے ہیں مذہب ضروری ہے مگر — فائدہ مذہب کا جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے ١٤٩٠

وہ خرافات پر ہیں داد طلب — واہ واہ پر عجب مصیبت ہے ١٤٩١

۱۴۹۲ حضرت کی شعر گوئی کچھ مستند نہیں ہے — کہنے کی ایک حد ہے بکنے کی حد نہیں ہے

۱۴۹۳ حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا — کہ وہ جامے سے باہر ہے یہ پاجامے سے باہر ہے

۱۴۹۴ کیا خبر خلد سے کیوں حضرتِ آدم نکلے — ہم تو مصروف ہیں گیہوں کی خریداری میں

۱۴۹۵ لاکھ چھانٹیں وہ مذہبی باتیں — فرق ہے شیخی و کلرکی میں

۱۴۹۶ لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض — کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں

۱۴۹۷ اصطلاحاً بے پیر اُسی پر ہے درست — جس کا مرشد نہیں اُستاد نہیں پیر نہیں

۱۴۹۸ تعلیم اُس کی اچھی جو اپنے گھر میں خوش ہو — مذہب اُسی کا اچھا جس کو پولس نہ پکڑے

۱۴۹۹ طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے — جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

۱۵۰۰ تمھاری شاعری یہ پھلجھڑی ہے یا پڑاقا ہے — یہ حافظ ہی کی محفل ہے جہاں کا سادھاقا ہے

۱۵۰۱ تم خدا کو خوش کرو سب کی خوشامد چھوڑ کر — با خدا حاکم جو ہوگا خود ہی خوش ہو جائیگا

۱۵۰۲ فرمائے ہیں یہ خوب بھائی گھورن — دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

۱۵۰۳ نا ملائم کیوں کہو اور کیوں سنو — بات یہ ہے چپ کرو یا چپ رہو

۱۵۰۴ سمجھی ہوئی باتوں نے پریشان کیا ہے — مشتاق ہوں اُس کا جو سمجھ میں نہیں آتا

۱۵۰۵ قائل ہمہ اوست کا ہے اکبر — محسوس مگر ہمہ نہیں ہے
کرتا ہوں مضمون یہ مغرب سے نقل — بولتا ہے علم اور سنتی ہے عقل

۱۵۰۶ کالج کے مفتیوں سے کل کہہ رہے تھے اکبر — بسکٹ سے باز آنا رہبانیت نہیں ہے

۱۵۰۷ کہتے ہیں کہ تم قوم سے قسم کیوں نہیں کہتے — کہہ دو یہ مناسب ہے تو تم کیوں نہیں کہتے

۱۵۰۸ یہی اُن کے عقائد ہیں یقیں اُس کا نہیں ہوتا — جو کرتے ہیں نہ کرتے یہ اگر اُن کو یقیں ہوتا

۱۵۰۹ فرمان کسے بود دُرہا کہ چنیں سفتم — گفتند بگو گفتم۔ گفتند مگو خفتم

سایہ مدت ہوئی غبارہ بنا — پائچوں میں بھی اب بھری ہے ہوا ۱۵۱۰

جو کہہ رہا ہے خود اُس کو نہیں ہے وہ محسوس — غرض کہ داد ہی پاسکے اثر سے ہو مایوس ۱۵۱۱

رجز تو تو نے سنائی رہ عمل کو بھی دیکھ — پُرانے قصّے تو ہیں یاد آج کل کو بھی دیکھ ۱۵۱۲

یاں نہ منطق ہے کتابوں کے نہ پشتارے ہیں — جوش ہے دل میں مضامین کے فوارے ہیں ۱۵۱۳

مغربی تعلیم ہو اور رہوم ردلی بات ہو — لطف موسم ہے یہی مینڈک ہو اور برسات ہو ۱۵۱۴

دین پر جب ہم نے دنیا کو مقدم کر دیا — دینوی درجے کو بھی اللہ نے کم کر دیا ۱۵۱۵

خوب عالم ہے زمانے کو جہاں دخل نہیں — بزم توحید میں یہ گردش ایام کہاں ۱۵۱۶

سر جھکا رکھ سر اُٹھانے کی جگہ اے دل کہاں — چاند ماری ہو رہی ہے بدر کی منزل کہاں ۱۵۱۷

حرج کیا روپیہ جو کاغذ کا چلا — غم نہ کھا روٹی تو گیہوں کی رہی ۱۵۱۸

ہے حوادث کا محبان الٰہی پر بھی فیر — ہاں حساب دوستاں درگور اگر کہئے تو خیر ۱۵۱۹

نبوت کا زمانہ اور تھا اب ورجھرمٹ ہے — وہاں سینے میں قرآں تھا یہاں سینے میں بسکٹ ہے ۱۵۲۰

کیا ترقی کہ بہم جس سے بڑھے بغض و نفاق — فربہی کیا ہے اگر خلط ہے فاسد پیدا ۱۵۲۱

زیادہ بے لطفی ہو چلی تھی اُس وقت یہ اشعار معارف نے چھاپے ورنہ نصیحت اور
امر بالمعروف ہمیشہ چاہیئے

اس وقت مولویت صوفی سے بھڑ گئی ہے — اغیار کو ہو مژدہ آپس میں چھڑ گئی ہے ۱۵۲۲

ملّا کو زعم ہے یہ دانم چرا نہ گویم — صوفی کو یہ کہ دارم پائے چرا نہ پویم

ملّا یہ کہہ رہے ہیں میرا رسالہ دیکھو — صوفی کا ہے اشارہ میرا پیالہ دیکھو

مُلّا پکارتے ہیں منطق کی جنگ اچھی — صوفی کا ہے ترانہ حق کی ترنگ اچھی

مُلّا یہ کہہ رہے ہیں قرآن ہی سے بڑھئے — صوفی یہ کہہ رہے ہیں معنی سمجھ کے پڑھیئے

اس جنگ میں ہے بیشک نادانیِ سیاسی — یہ بات ہے یقینی ہرگز نہیں قیاسی
گو قید ظاہری کی پاتے ہیں اُن میں قلت — وہ بھی جماعتیں ہیں وہ بھی ہے نظم ملت
دینی طریق میں تو ہر سمت اب کمی ہے — مجلس میں ہے تزلزل میلوں میں برہمی ہے
کہتے ہیں کر رہے ہیں ہم یہ ریفارمیشن — دیکھا نہیں تھا لیکن مردوں پہ آپریشن
بازو قوی جو رکھتے ہوتی اگر حکومت — اس وقت شاید آتی کچھ کام یہ خصومت
تنگیٔ رزق نے تو چرخے دیے ہیں کتوا — کیسی دلیل شرعی کیسا خرد کا فتوے
ہوتا رہے گا نشتر پہلے چلائیے تو — جانِ حزیں کو اُن کے تن سے ملائیے تو
ہے ہاتھ میں قلم بھی منھ میں زبان بھی ہے — لیکن یہ دیکھئے تو حضرت میں جان بھی ہے
وضع کہن کا ٹنا اس کی یہ رُت نہیں ہے — تیشے سے توڑ دو تم ایسا یہ بت نہیں ہے
اس وقت کیا تمھاری یہ خوش خیالیاں ہیں — آپس میں گالیاں ہیں غیروں کی تالیاں ہیں
بہتر ہے کام لینا نغمات موعظت سے — روکو گلے کو لیکن ایسی جبلت پھرتا سے
شیعہ ہوں خواہ سنّی ملّا ہوں خواہ صُوفی — بے سُود جنگ باہم ہے سخت بیوقوفی
باتیں نئی کہاں سے لاکر کوئی کہے گا — تم بھی وہی رہوگے وہ بھی وہی رہے گا
دیکھو ذرا تنزل تو خود ہی زور پر ہے — موقوف کب یہ حالت آپس کے شور پر ہے
وقتِ نزاع باہم ہرگز نہیں ہے یارو — اللہ کو پکارو اللہ کو پکارو

۱۵۲۳ وہ خود آرائی کہاں، خوشیوں کی تمہید اب کہاں — رسم ادا کر دیتے ہیں مل لیتے ہیں عید اب کہاں

۱۵۲۴ دانے کو ہے حق نشو و نما اس سے تو نہیں انکار مجھے — لیکن یہ بتاؤ مجھ کو ذرا وہ کھیت میں ہے یا پیٹ میں ہے

۱۵۲۵ چلتی نہیں کچھ اپنی کوئی ہزار چاہے — ہوتا ہے بس وہی جو پروردگار چاہے
بے رونقیِ اکبر میں ہو شریک آکر — جو موسمِ خزاں میں رنگِ بہار چاہے

یہ پرچہ جس میں چند اشعار ہیں ارسال خدمت ہے ٭ ہمارے لخت دل ہیں آپ کا مال تجارت ہے ۱۵۲۶

کہوں کیا ہستی باری میں شک ہونیکے کیا معنی ٭ یہی سمجھا نہیں ہیں آجتک ہونے کے کیا معنی ۱۵۲۷

تنہائی میں بھی فکر جماعت کی جی میں ہے ٭ دنیا میں میں نہیں ہوں یہ دنیا مجھی میں ہے ۱۵۲۸

شاگرد ڈارون تو خدا ہی نے کر دیا ٭ اکبر مگر نہیں ہے مداری کے ہاتھ میں ۱۵۲۹

اگرچہ دعوی اسلام ہے مگر بالفعل ٭ سوا خدا کے ہمارا کوئی گواہ نہیں ۱۵۳۰

چھوڑنا ممکن ہے اکبر شوخیٔ گفتار کو ٭ ترک حق گوئی ہے مشکل محرم اسرار کو ۱۵۳۲

جوانی نے تو اپنے واسطے ہم کو اٹھایا تھا ٭ بڑھاپا تو بٹھائے اب خدا کے واسطے ہم کو ۱۵۳۳

تمت بالخیر